وفاق المدارس السلفیہ پاکستان
کی ہدایات اور تجاویز کی روشنی میں مرتب شدہ کتاب

السیاسۃ الشرعیۃ

ریاستی خودمختاری ◆ بین الاقوامی تعلقات ◆ آزاد عدلیہ

نظام احتساب ◆ دعوت الی اللہ ◆ تصور امت



اسلام کا نظامِ سیاست

تالیف
ابوخزیمہ علی مرتضیٰ طاہر

تقریظ
پروفیسر عبدالرحمان لدھیانوی حفظہ اللہ
ناظم امتحانات وفاق المدارس السلفیہ پاکستان

دار الاصلاح
DARULISLAH
اصلاح امت کیلئے ہردم کوشاں

فہرست مضامین

حرفِ آغاز:

سیاست ایک انسانی ضرورت

لوگوں کے معاملات اور امور کو نمٹانے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل ﷺ کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ لوگوں کو تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی امور کو نمٹانا بھی انبیاء ہی کا کام ہوتا تھا۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءِ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ.)) (الصحیح للبخاری، حدیث: 3446، الصحیح للمسلم: 1842)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء ﷺ کیا کرتے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا آجاتا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ''جب ان میں فساد ظاہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان میں ایک نبی بھیج دیتے، جو ان کے معاملات کو درست کرتا اور تورات میں جو انہوں نے تبدیلیاں کی ہوتیں انہیں صحیح کرتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ رعایا کے لیے ایک شخص کا ہونا ضروری ہے جو انہیں صحیح نہج پر چلاتا رہے۔'' (فتح الباری: 497/6)

سیاست انسانوں کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور سیاست کا مطلب ہے لوگوں کے بگاڑ کی اصلاح کرنا اور انہیں صحیح راستے پر لے کر چلنا۔ آج کے دور میں کچھ لوگ تو سیاست کو ہی اپنا اوڑھنا، بچھونا سمجھتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اسے دین سے الگ ایک چیز تصور کرتے ہیں۔ دونوں نظریات ہی غلط ہیں۔ دین کو چھوڑ کر سیاست کو ہی سب کچھ سمجھ لینا یا دین اسلام میں سیاست کو کوئی جگہ نہ دینا، کم علمی کا نتیجہ ہے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنانچہ سیاست کا مطلب ہے "اَلْقِيَامُ عَلَى الشَّيْءِ بِمَا يُصْلِحُهُ" کسی چیز کی

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عزیز القدر مولانا علی مرتضیٰ طاہر ﷾ نے جو سالہا سال سے وفاق المدارس کی کلاسز کو پڑھا رہے ہیں کمر باندھی اور بڑی محنت و کوشش کے بعد سیاسیات کے عنوان سے ایک کتاب مرتب فرمادی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں تمام موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اللہ کریم ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

پروفیسر عبد الرحمٰن لدھیانوی
ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان
ناظم امتحانات وفاق المدارس السلفیہ پاکستان
سابق ڈائریکٹر کالجز حکومت پنجاب
ممبر متحدہ علماء بورڈ حکومت پنجاب

9 فروری 2017ء

باب 1

سیاسی نظریات

- سیاسی نظریات
- افلاطون
- ارسطو
- ھابز
- روسو

مفکرین کے سیاسی نظریات

① افلاطون ② ارسطو ③ ہابز ④ روسو

1 افلاطون:

حکمائے یونان میں افلاطون کو فلسفہ اور سیاست کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا نظریہ سیاست یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے، اس لیے وہ مل جل کر زندگی بسر کرے گا۔ مل جل کر رہنے کی وجہ سے معاشرے میں تقسیمِ عمل کا اصول کارفرما ہوگا؛ تاکہ لوگ ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنے اپنے دائرہ میں عمل کریں۔ افلاطون کا کہنا ہے کہ تقسیم کار پیدائش کے اعتبار سے ہونی چاہیے؛ کیوں کہ مختلف انسان پیدائشی طور پر مختلف صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں، بعض ذہین فطین ہوتے ہیں، بعض بہادر جب کہ بعض معاشی کاموں کو سرانجام دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

افلاطون کے نزدیک معاشرہ کی تقسیم:

افلاطون، معاشرہ کو تین طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔

☆ ارباب حل وعقد ☆ سپاہی ☆ اہل حرفہ (پیشہ)

ارباب حل وعقد:

اس کے نزدیک یہ لوگ نگران ہیں اور یہی لوگ حکمرانی کے فرائض سرانجام دے سکتے ہیں۔

سپاہی:

افلاطون فوجیوں کی جماعت کو معاشرہ کا ایک مستقل طبقہ تصور کرتا ہے، وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ اس طبقہ کی باقاعدہ تربیت ہو، تاکہ بوقت ضرورت یہ سپاہی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکیں۔

اہل حرفہ (پیشہ ور):

یہ طبقہ کسانوں، مزدوروں اور غلاموں پر مشتمل ہے۔ یہ طبقہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف پیشے اختیار کرتا ہے۔

2 ارسطو:

حکمائے یونان میں ارسطو کو بھی ایک بہت بلند مقام حاصل ہے۔ وہ (20) سال تک افلاطون کی اکیڈمی میں علم حاصل کرتا رہا۔

ارسطو کے نزدیک معاشرہ کی تقسیم:

ارسطو بھی افلاطون کی طرح معاشرے کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے، لیکن اس کی تقسیم کا معیار افلاطون سے ذرا مختلف ہے۔

☆ ارباب فکر ونظر کا طبقہ ☆ غلاموں کا طبقہ ☆ عام انسانوں کا طبقہ

ارباب فکر ونظر کا طبقہ:

ارسطو کے نزدیک ارباب فکر ونظر طالب علموں کا طبقہ ہے۔ یہی لوگ بہترین زندگی کے مستحق ہیں۔

غلاموں کا طبقہ:

اس طبقہ کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ارباب فکر ونظر کی ضروریات واحتیاجات کو پورا کریں۔

عام انسانوں کا طبقہ:

ارسطو اس طبقہ میں سے لائق اور ذہین اشخاص کی حکومت کا قائل ہے۔

ارسطو اپنے ان نظریات کو ''ارسطو کریسی'' کا نام دیتا ہے اور اسی طرز حکومت کو بہترین حکومت قرار دیتا ہے۔

3 ہابز:

ہابز کے نظریہ کے مطابق انسان خودغرض ومطلبی ہے اور اپنے مفاد کی خاطر ہی سوچتا ہے، جب کہ اس کا دل دوسروں کے لیے ہمدردی کے جذبات سے خالی ہوتا ہے۔ انسان کی

اس فطرت کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے تنگ آ گئے ہیں۔ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے سب جمع ہوئے اور اپنے تمام اختیارات کسی ایک فرد یا کچھ افراد کے سپرد کر دیئے، جس کے عوض ایک فرد یا کچھ افراد نے بقیہ افراد کی جان، مال اور عزت کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور ریاست وجود میں آ گئی۔ ہابز کے مطابق مقتدرِ اعلیٰ کو کلی اختیار حاصل ہیں، وہ اپنے فیصلوں میں کسی آئین، قانون اور ضابطہ کا پابند نہیں لیکن اس کے فیصلے افراد کے لیے ضابطہ اخلاق اور قانون بن جاتے ہیں، حتیٰ کہ مقتدرِ اعلیٰ دوسری حکومتوں کے ساتھ معاہدات کرنے میں کسی ضابطہ اخلاق کا پابند نہیں۔ معاہدات کے متعلق ہابز کا کہنا ہے کہ: تلوار کے بغیر معاہدات خالی الفاظ رہ جاتے ہیں جن میں اپنی حفاظت کی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔

4 روسو:

روسو، ہابز سے بالکل مختلف نظریہ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان فطرۃً نیک ہے اور اس کا بہترین زمانہ ابتدائی دور تھا۔ جب انسانی زندگی محبتوں اور خوشیوں سے لبریز تھی۔ کوئی جھگڑا تھا نہ فساد، ہر طرف امن، پیار، مواخات و مساوات اور احساسات کا دور دورہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ نئی نئی تحریکوں نے جنم لیا؛ جن کی وجہ سے نئے نئے مسائل اور الجھنیں ظاہر ہوئیں۔ آزادیاں ختم ہو گئیں، طاقتور لوگوں نے اقتدار حاصل کر لیا اور کمزور لوگ ظلم و ستم کا نشانہ بننے لگے۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے غور و خوض کے بعد آپس میں معاہدہ کر کے مملکت کی بنیاد ڈالی گئی جو ہر فرد کے جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے گی۔

روسو کے نزدیک اس معاہدہ کی رو سے ہر فرد اپنے تمام حقوق و اختیارات سمیت اپنے آپ کو اجتماعیت کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس لیے ہر فرد پر معاشرہ کے احکام کی اتباع ضروری ہے۔ [1]

سوالات

1- افلاطون، ہابز، ارسطو اور روسو کے نظریاتِ سیاسی پر روشنی ڈالیں؟

[1] دیکھیے اسلام کا سیاسی نظام، از: پروفیسر غلام رسول، ص ۱۷ تا ۲۶۔

باب 2

مملکت اور اقسامِ مملکت

- مملکت کی تعریف
- مملکت کے بنیادی عناصر
- بادشاہت
- اشرافیہ
- دستوریہ
- جمہوری بادشاہت

مملکت اور اقسام مملکت

مملکت کی تعریف:

''مملکت'' کے لیے دوسرا لفظ ''ریاست'' استعمال کیا جاتا ہے۔ مملکت یا ریاست انسانوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں، جس میں سیاسی تنظیم موجود ہو، جن میں اکثریت کی رائے مخالف طبقہ کی رائے پر فوقیت رکھے اور وہ سیاسی جماعت دائمی طور پر کسی خاص خطہ زمین پر قابض ہو اور اس کی ایک منظم حکومت ہو جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں۔

اسلامی نقطہ نظر سے تعریف مملکت:

اسلامی نقطہ نظر سے مملکت سے مراد وہ بلند ترین معاشرتی ادارہ ہے جو انسانوں کو دینی اور دنیاوی معاملات کو ایک قانون کی روشنی میں سرانجام دینے کے لیے وجود میں آئے۔

مملکت کے بنیادی عناصر:

کسی بھی مملکت یا ریاست کی تکمیل کے لیے مندرجہ ذیل عناصر کا ہونا ضروری ہے۔

- آبادی
- علاقہ
- تنظیمی ڈھانچہ
- حکومت
- دستور
- اقتدار اعلیٰ

اقسام مملکت:

مملکت کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1. بادشاہت
2. اشرافیہ
3. جمہوریت
4. دستوریہ
5. جمہوری بادشاہت
6. وفاقی مملکت

1 بادشاہت:

اس طرز حکومت کا نام ہے جس میں تمام اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوں۔

اقسام بادشاہت:

بادشاہت کی دو قسمیں ہیں۔

1. مطلق العنان بادشاہت
2. آئینی بادشاہت

1 مطلق العنان بادشاہت:

ایسا طرز حکومت جس میں بادشاہ کے اختیارات غیر محدود ہوتے ہیں۔ اس طرز حکومت میں بادشاہ کو ایک دیوتا کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ لوگ بادشاہ کی پرستش کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔ اس قسم کی مملکتیں سولہویں اور سترہویں صدی میں یورپ میں پائی جاتی تھیں نیز جاپان میں بادشاہ کو ایسا ہی مقام حاصل ہے۔

2 آئینی بادشاہت:

اس بادشاہت میں بادشاہ کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہوتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر ان اختیارات کی اہمیت نہیں ہوتی، کیونکہ بادشاہ فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت تو رکھتا ہے لیکن مملکت کے قوانین کے تابع ہوتا ہے اور ان قوانین سے انحراف نہیں کر سکتا۔ قوانین بنانے کے لیے ایک مقننہ (قانون ساز جماعت) ہوتی ہے، جو قانون بنانے کے بعد بادشاہ سے منظوری لیتی ہے، اس قسم کی حکومت انگلستان میں موجود ہے جس میں نظریاتی طور پر بادشاہ کو تمام اختیارات حاصل ہیں لیکن عملی طور پر وہ تمام اختیارات کا بینہ استعمال کرتی ہے جو برطانوی پارلیمان کے سامنے جوابدہ ہے۔

2 اشرافیہ:

اشرافیہ وہ طرز حکومت ہے جس میں حکومت کی باگ ڈور ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں ہو، یعنی جاگیرداروں اور امراء کی حکومت کو ''اشرافیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اشرافیہ کی بنیاد عموماً دولت پر ہوتی ہے۔ اس قسم کی ریاستیں قرون اولی اور ازمنہ وسطی میں پائی جاتی تھیں۔ جاگیرداری دستور ''اشرافیہ'' کی ہی ایک قسم ہے۔ گو اس قسم کی مملکتیں دور حاضر میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس کے اثرات ہر ملک میں پائے جاتے ہیں کہ امراء زمیندار اور جاگیردار دولت کے بل بوتے پر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

3 دستوریہ:

جب دولت مند حکمران ظلم و ناانصافی کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو عوام ان کی حکومت کو ختم کر کے آئین کے مطابق حکومت چلاتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک ایسی حکومت کو دستوریہ کہا جاتا ہے اور اس کے مطابق یہ طرزِ حکومت ایک مثالی طرزِ حکومت ہے۔

4 جمہوریہ:

وہ طرزِ حکومت ہے جس میں عوام خود حکومت کریں۔ عام الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ جمہوریت، حکومت کی وہ شکل ہے جو عوام کی حکومت ہو، عوام کے لیے ہو اور عوام ہی اسے چلاتے ہوں۔

اقسامِ جمہوریت:

جمہوریت کی دو اقسام ہیں: ① بلاواسطہ جمہوریت ② بالواسطہ جمہوریت

① بلاواسطہ جمہوریت:

یہ طرزِ حکومت کم آبادی والے ممالک میں پایا جاتا تھا، افراد آسانی کے ساتھ نظامِ حکومت میں حصہ لے سکتے تھے۔ اس قسم کی مملکتوں میں تین قسم کے لوگ ہوتے تھے۔

❁ شہری ❁ غیر ملکی افراد ❁ غلام

❁ شہری:

وہ شہری جو آزادی کی نعمت سے متمتع ہوتے تھے، انہیں ہر قسم کے حقوق حاصل ہوتے تھے اور انہی لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت کا نظم و نسق ہوتا تھا۔

❁ غیر ملکی افراد:

دوسرے غیر ملکی افراد تھے۔ انہیں صرف غیر سیاسی حقوق حاصل ہوتے تھے۔

❁ غلام:

تیسری قسم غلاموں کی تھی جنہیں کسی قسم کے حقوق اور اختیارات حاصل نہیں ہوتے تھے۔

ملاحظہ:

قسمِ اول یعنی شہری لوگ ہی مقننہ، عاملہ اور عدلیہ بناتے تھے۔

بلاواسطہ جمہوریت چھوٹی ریاستوں کے لیے بڑا موزوں طرزِ حکومت ہے۔ اس دور میں ایسی کوئی حکومت نہیں ہے جس میں رعایا کا ایک حصہ انسانی حقوق سے محروم ہو۔

② بالواسطہ جمہوریت:

ایسا نظامِ حکومت جس میں عوام براہِ راست حکومت میں حصہ نہیں لے سکتے ''بالواسطہ جمہوریت'' کہلاتا ہے۔

موجودہ دور میں ملکوں کا رقبہ بہت وسیع ہو چکا ہے جس کی وجہ سے عوام براہِ راست حکومت میں حصہ نہیں لے سکتے۔ لہٰذا وہ اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے بالواسطہ طور پر حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر ان منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ہی نظامِ حکومت ہوتا ہے۔

5 جمہوری بادشاہت:

''اس نظامِ حکومت میں تمام اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، لیکن ان اختیارات کی عملی طور پر کوئی اہمیت نہیں ہوتی، کیونکہ بادشاہ فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت تو رکھتا ہے لیکن مملکت کے قوانین کے تابع ہوتا ہے اور ان سے انحراف نہیں کر سکتا یہ طرزِ حکومت ''جمہوری بادشاہت'' کہلاتا ہے۔''[1]

6 وفاقی مملکت:

اس میں مملکت کی مختلف وحدتیں ہوتی ہیں جو باہمی اشتراک سے کام کرتے ہیں۔ پھر ان وحدتوں کا مرکز بھی ایک ہی ہوتا ہے اور اقتدارِ اعلیٰ مرکز کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ عام الفاظ میں:

''وفاق ایک ایسی مملکت کا نام ہے، جس میں ملک کا دستورِ اساسی، تمام اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے''

امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا اور پاکستان وفاقی مملکتیں ہیں۔

[1] آئینی بادشاہت کا ہی دوسرا نام جمہوری بادشاہت ہے۔

سوالات

1- مملکت کی تعریف کرتے ہوئے اس کے بنیادی عناصر بیان کیجئے؟
2- مملکت کی اقسام بیان کرتے ہوئے جمہوریت اور اس کی اقسام بالتفصیل بیان کریں؟
3- بادشاہت کی تعریف اور اس کی اقسام پر روشنی ڈالیں؟
4- دستوریہ اور اشرافیہ طرز حکومت پر نوٹ لکھیں۔

باب 3

اسلام کا نظریہ ریاست

- اسلامی حکومت (امامت، خلافت، امارت)
- خلافتِ راشدہ کا نظام حکومت اور اس کے امتیازات
- خلیفہ یا امیر کا انتخاب
- امارت وخلافت کی شرائط
- خلیفہ یا امیر کے اختیارات
- اقتدار اعلیٰ کا مفہوم

اسلام کا نظریہ ریاست

اسلام کے نظریہ ریاست میں اسلامی حکومت کو درج ذیل تین ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

① امامت ② خلافت ③ امارت

1 امامت:

اس امامت سے مراد ''امامت کبریٰ'' ہے اور ''امامت کبریٰ'' سے مراد ایک ایسی ریاست عامہ ہے، جو پیغمبر اعظم ﷺ کی قانونی نمائندگی سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے اور دین و دنیا کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت و طاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے کہ اس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عام الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے:

''امامت کبریٰ حکومت کا وہ منصب ہے جو دین کی نگہبانی اور دنیا کے سیاسی فرائض کو پورا کرتا ہے۔ گویا ''امامت کبریٰ'' اسلامی حکومت کا اعلیٰ ترین نام ہے۔'' [1]

2 خلافت:

اس سے مراد خلافت عامہ ہے یعنی:

''جب کوئی مامور وفات پا جائے تو اس مشن کو چلانے کے لیے اس کا نائب اس کی خلافت عامہ کا حامل ہوگا یہ جانشین پہلے سے ماموُر حاکم کا خلیفہ ہوتا ہے۔''

لہٰذا اسے اللہ کا خلیفہ قرار دینا قرآن وسنت سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر براجمان ہوئے تو لوگوں نے انہیں خلیفۃ اللہ کہنا شروع کر دیا، تو آپ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا:

((لَسْتُ بِخَلِيفَةِ اللّٰهِ .)) [2]

---

[1] اسلام کا سیاسی نظام از پروفیسر غلام رسول چیمہ ص: 44۔ [2] مصنف ابن ابی شیبہ، 7/ 432، 37048.

''میں اللہ کا خلیفہ نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوں''

خلافت عامہ ایک ایسی حکومت کا نام ہے: ''جس میں مسند خلافت پر بیٹھنے والے ہر شخص کو رسول اللہ ﷺ کے منہج کے مطابق تمام اسلامی قوانین اور حدود کا نفاذ کرنا ہوگا۔''

امارت:

یہ لفظ امر سے مشتق ہے جس کے معنی ''حکم دینا'' ہیں۔ اس سے مراد وہ حکومت ہے:

''جو امور عامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر افراد کو معروف کا حکم دیتی اور منکرات سے روکتی ہے ایسی حکومت امارتِ امت یا دوسرے الفاظ میں ولایت امت کا درجہ پا لیتی ہے۔''

خلافت راشدہ کا نظام حکومت اور اس کے امتیازات

''اسلامی خلافت'' دنیا کے تمام حکومتی نظاموں سے بہترین نظام حکومت تھا، کیونکہ اس حکومت کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بنائے ہوئی قوانین پر تھی۔ یہ طرز حکومت بہت سی خصوصیات اور امتیازات کا حامل تھا جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

1 دین و دنیا کا امتزاج:

اسلامی خلافت کی پہلی خصوصیت جو اسے دوسرے نظام ہائے سیاسی سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ طرز حکومت دین و دنیا دونوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جب کہ دوسرے سیاسی نظام صرف دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں اور دین کے تصور کو اپنے نظام سے خارج کرتے ہیں۔

2 نظام الٰہی کا نفاذ:

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ اس نظام حکومت کی بنیادی کڑی ہے۔ جس نظام حکومت میں احکام الٰہی کی اطاعت اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ نہیں ہوگا وہ نظام اسلامی خلافت کہلوانے کا حق دار نہیں۔

(3) مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ کی ذات:

اسلامی خلافت میں مقتدرِ اعلیٰ کا حق صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴾ (یوسف: 40)

''حکم صرف اللہ کا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَلَا لَہُ الْحُکْمُ ﴾ (الانعام: 62)

''یاد رکھو؟ حکم (حاکیت) صرف اسی کا ہے۔''

خلیفہ یا امیر کا انتخاب

اسلامی خلافت میں خلیفہ یا امیر کا انتخاب عوام یا اربابِ حل وعقد کی مشاورت سے ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ ﴾ (الشوریٰ: 38)

''مسلمانوں کے اجتماعی امورِ سلطنت باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔''

خلافت راشدہ کے ابتدائی دور پر اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب مجلس شوریٰ کے ذریعے ہی ہوا تھا۔ جس کے لیے خلفائے راشدین کی بیعت کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بیعت ابو بکر رضی اللہ عنہ:

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ثقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی، جہاں پر مہاجرین و انصار کے صاحب الرائے افراد موجود تھے، پھر مسجد میں عام بیعت ہوئی اور سب نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت عمر رضی اللہ عنہ:

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اہل حل وعقد سے

مشورہ کرنے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا اور پھر اسے مرضیٔ عامہ پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ اہل حل وعقد کی رائے اور مرضیٔ عامہ معلوم کرنے کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔

بیعت عثمان رضی اللہ عنہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے چند صحابہ کی ایک مجلس شوریٰ مقرر کی اور خلافت کے لیے کچھ لوگوں کے نام تجویز فرما دیئے اور مجلس شوریٰ کو ہدایت کر دی کہ اصحاب الرائے سے مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ چنانچہ اس مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔

بیعت علی رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی جمہور کی رائے کے مطابق ہوئی۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے راشدین کے انتخاب کے طریقے گو مختلف رہے ہیں، لیکن عوام کی رائے کا دخل ہر طریقہ میں کارفرما رہا ہے۔

اسلامی نظام خلافت میں ولی عہدی کے لیے کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی ایک خاندان میں خلافت کو محدود کر لینے کی گنجائش ہے۔

امارت وخلافت کی شرائط

امارت وخلافت کا نظام احسن انداز سے چلانے کے لیے خلیفہ یا امیر میں مندرجہ ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے۔

- مسلمان ہو
- عاقل و بالغ ہو
- جسمانی نقائص سے پاک ہو
- علوم دینیہ میں مہارت ہو
- معاملہ فہم ہو
- جری و بہادر ہو
- متقی ہو
- عادل و منصف ہو

* امانت و دیانت
* ملکی حالات سے باخبر ہو

① مسلمان ہو:

مسلمانوں کا نظامِ حکومت چلانے کے لیے صرف وہی شخص مسند امارت یا خلافت پر بیٹھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہو۔ نبی ﷺ کی شریعت کا منکر خلیفہ نہیں بن سکتا۔ قرآن کریم میں اس پر واضح نص وارد ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: 141)

''اور اللہ نے کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی رستہ (غلبہ و زور) نہیں رکھا۔''

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے اگر خلیفہ مرتد ہو جائے تو اسے معزول کرنا اور اس کے خلاف قتال کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، چنانچہ جو شخص مسلمان ہی نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا خلیفہ کیسے بن سکتا ہے؟

② عاقل و بالغ ہو:

خلیفہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ناپختہ عمر اور نابالغ نہ ہو۔ اسی طرح ذہنی لحاظ سے بے وقوف آدمی خلیفہ بننے کا اہل نہیں اور خلیفہ کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔

③ جسمانی نقائص سے پاک ہو:

خلیفہ ایسے جسمانی نقائص اور معذوری سے پاک ہو جس کی وجہ سے وہ فرائض منصبی اچھی طرح سے انجام نہ دے سکے، اگر وہ دوران خلافت کسی جسمانی نقص میں مبتلا ہو جائے مثلاً ذہنی توازن کھو بیٹھے، مفلوج یا اندھا ہو جائے تو اسے مسند خلافت سے معزول کر دیا جائے گا۔ حاکم کے جسمانی نقائص کے پاک ہونے پر قرآن کریم میں اشارۃ النص موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: 247)

''بے شک اللہ نے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی عطا فرمائی

اور اللہ اپنی حکومت جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے۔''

اس آیت میں اشارہ ملتا ہے کہ بھرپور کارگردگی دکھانے کے لیے خلیفہ کے جسم اور اعضاء کا درست ہونا ضروری ہے۔

④ علوم دینیہ میں ماہر ہو:

خلیفہ یا امیر کے لیے علوم دینیہ کا ماہر ہونا ضروری ہے، تاکہ پیش آنے والے مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں نکال سکے اور لاعلمی کی بناء پر شریعت کی حدود کو پامال نہ کرے۔

⑤ معاملہ فہم ہو:

خلیفہ میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ وقت کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو، نیز معاملات کو جاننے، پرکھنے اور ان کا حل نکالنے کا ملکہ رکھتا ہو۔ اللہ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو بادشاہت عطا کی تو ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ (ص: 20)

''ہم نے داؤد علیہ السلام کو دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔''

⑥ جری و بہادر ہو:

خلیفہ ایسا شخص ہونا چاہیے جو نڈر، بہادر اور جذبہ جہاد رکھنے والا ہو، تاکہ دشمن کی طرف سے حملہ ہونے کی صورت میں وہ اپنی قوم اور فوج میں جہاد کا شوق پیدا کر سکے اور اس کام کے لیے خلیفہ کا خود شجاع ہونا ضروری ہے۔ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ وَكَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَشْجَعَ النَّاسِ)) ❶

''رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر خوبصورت، سب سے بڑے سخی اور لوگوں میں سب سے بڑھ کر جری و بہادر تھے۔''

❶ صحیح مسلم: 2308.

⑦ **متقی ہو:**

امیر، حاکم یا خلیفہ کسی بھی قوم کا سب سے نمایاں اور معزز شخص ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے ہاں بھی سب سے زیادہ معزز ہو اور اللہ کے ہاں یہ مقام حاصل کرنے کے لیے تقویٰ جیسی عظیم صفت سے متصف ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (الحجرات: 13)

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز متقی شخص ہے۔''

⑧ **عادل ومنصف ہو:**

اسلامی حکومت میں ناانصافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے امیر یا خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جاتا ہے جو اپنے ہر فیصلے میں عدل وانصاف سے کام لینے والا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ﴾ (النساء: 58)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''

⑨ **امانت ودیانت:**

کسی کرپٹ آدمی کو اسلامی حکومت کی باگ ڈور نہیں دی جا سکتی، بلکہ کسی امین شخص کو مسند خلافت پر فائز کرنا چاہیے تاکہ اسلامی قلمرو کے وسائلِ پیداوار، آمدن اور خزانوں کو امانتداری کے ساتھ خرچ کیا جا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ﴾ (النساء: 58)

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو ادا کرو۔''

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (یوسف: 55)

''انھوں نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، بے شک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا خوب جاننے والا ہوں۔''

⑩ **ملکی حالات سے باخبر ہو:**

وہی امیر یا خلیفہ امارت یا خلافت کا حق ادا کر سکتا ہے جو بیدار مغز ہو اور ملک کے داخلی اور خارجی حالات سے باخبر ہو تاکہ ملک کی بیرونی اور اندرونی سرحدوں کی حفاظت ہو سکے۔

خلیفہ یا امیر کے اختیارات

شریعتِ اسلامیہ نے مسند خلافت پر بیٹھنے والے شخص کو کچھ اختیارات دیئے ہیں جنہیں وہ معروف میں رہتے ہوئے استعمال کر سکتا ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1 قانون سازی کا اختیار:

خلیفہ کو ضمنی قوانین بنانے کا اختیار حاصل ہے، لیکن اسے چاہیے کہ وہ ایسے قوانین اصحاب الرائے کی مشاورت سے بنائے تاکہ اس میں کوئی سقم باقی نہ رہے۔ اسی طرح خلیفہ کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ اگر مقننہ کوئی غیر شرعی قانون وضع کر دے تو اسے ختم کر سکتا ہے۔

2 قواعد وضوابط بنانے کا اختیار:

خلیفہ یا امیر پر ضروری ہے کہ وہ اپنے قلمرو میں شرعی قوانین کا نفاذ کرے لہٰذا حدود و قوانین کے نفاذ کے لیے شریعت نے اسے قواعد وضوابط بنانے کا اختیار دیا ہے۔

3 حکام کی تعیناتی اور معزولی کا اختیار:

خلیفہ یا امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام شہروں اور ریاستوں کے گورنرز تعینات کرنے کے لیے اپنی بصیرت سے کام لے۔ اسی طرح جب کسی گورنر یا عامل کو دیکھے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کما حقہ ادا نہیں کر رہا تو اسے معزول کر کے کسی اور کو اس کی جگہ تعینات کرنے کا اختیار بھی خلیفہ کو حاصل ہے، خلفائے راشدین کے عہد میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

4 جنگ اور صلح کا اختیار:

ملکی حالات کے پیش نظر خلیفہ کو اپنے دشمن سے جنگ کرنے یا صلح کا معاہدہ لکھنے کا بھی اختیار حاصل ہے اور اس معاملے میں اسے چاہیے کہ وہی راستہ اختیار کرے جس میں دین و

دنیا کی بھلائی نظر آتی ہو۔

5 مواخذہ کا اختیار:

خلیفہ کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ کسی فرد کی طرف سے قانون شکنی دیکھے تو اس کا مواخذہ کرے۔

6 تفتیش کا اختیار:

امیر یا خلیفہ کے ماتحت کام کرنے والا کوئی عامل اگر کوئی غیر قانونی یا غیر شرعی کاروائی کرے تو خلیفہ کو اس کی تحقیق و تفتیش کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

7 مجلس شوریٰ بنانے کا اختیار:

خلیفہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ملک کے انتظامی امور کو چلانے کے لیے ایک مجلس تیار کرے اور اس کے ارکان کا انتخاب خود کرلے، لیکن خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی مجلس شوریٰ یا مجلس عاملہ بنانے کے لیے جن ارکان کو منتخب کرے ان میں درج ذیل شرائط پائی جاتی ہوں۔

- مسلمان ہو
- دین کا علم رکھتا ہو
- عادل ہو
- مشورہ دینے کا اہل ہو
- حالات حاضرہ سے باخبر ہو۔

اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم

اسلامی نقطہ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ وہ بالا دست طاقت ہے جس سے بالا کوئی طاقت نہیں۔ اسلامی حکومت میں اقتدار اعلیٰ کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (الرعد: 41)

''اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں، کوئی اس کے حکم سے روگردانی کرنے والا نہیں اور وہ حساب میں جلدی کرنے والا ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدۃ: 42)

''ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے بے شک انصاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔''

اور ساتھ یہ بھی اعلان فرما دیا کہ جو احکام الٰہی کو نہیں مانتا یا اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ: 44)

''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں۔''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں سیاسی اور قانونی حاکمیت صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ عہد حاضر کا فرانسیسی ماہر سیاسیات ڈی۔ ٹو۔ کویل اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے متعلق لکھتا ہے:

''مطلق اقتدار اعلیٰ فی الواقع ایک بری اور خطرناک چیز ہے، کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اقتدار مطلق کو دور اندیشی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کرسکے، لہٰذا اقتدار مطلق کا مرجع صرف اللہ وحدہ لا شریک کی ذات ہے، کیونکہ اس کے اقتدار کی کارفرمائی کے پہلو بہ پہلو اس کی حکمت اور عدل بھی کارفرما ہے، جب کہ دنیا کے اندر کوئی بھی ایسا معتبر اور قابل اطاعت اقتدار نہیں پایا جاتا جس کے احکام کو میں ہر معاملے میں غیر مشروط طور پر قبول کرتا جاؤں۔ جب مجھے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم، ملک یا کسی حکومت کو، خواہ وہ شخصی ہو یا جمہوری، بادشاہت ہو یا عوامی حکومت، اقتدار سونپ دیا گیا ہے تو مجھے اسی وقت انتشار و انارکیت کے شعلے نظر آنے لگتے ہیں اور میں فوراً ایسی ریاست کی تلاش کرنے لگتا ہوں جو میری حقیقی آرزو پوری کرسکے۔''[1]

[1] اسلام کا سیاسی نظام، پروفیسر چودھری، غلام رسول چیمہ، ص 56، 57.

سوالات

1- اسلام کے نظریہ ریاست، امامت، خلافت اور امارت پر روشنی ڈالیں؟
2- خلافت راشدہ اور اس کے امتیازات بیان کریں؟
3- امارت و خلافت کی شرائط بالتفصیل بیان کریں؟
4- خلیفہ یا امیر کے اختیارات کا جائزہ لیں؟
5- اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا کیا مفہوم ہے؟

باب 4

اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں وفرائض

- حکومت کے فرائض
- اقسام مساوات
- اسلام میں اقلیتوں کے حقوق
- اقلیتوں کے پرسنل لاء
- شہریوں کے فرائض اور اسلامی حکومت کے حقوق

حکومت کے فرائض

اسلام کی آمد پہلے دنیا میں موجود تمام سلطنتوں میں حقوق انسانی کا تصور بھی موجود نہ تھا۔ معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا، حکمران اپنی زندگی کی رنگینیوں میں غرق تھے، جب کہ عوام حقوق انسانی سے محروم تھے۔ مکہ کے بے آب و گیاہ وادی میں تکریم انسانیت کی آواز بلند ہوئی تو مراعات یافتہ اور جاگیردار طبقہ نبی ﷺ کا دشمن بن گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہاں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی، جس میں انسانی حقوق کے تحفظ کو ایک قانونی حیثیت دی گئی اور حقوق انسانی کے نفاذ کو ایک ریاست کے لیے لازمی قرار دیا۔ اس لحاظ سے اسلامی ریاست کا سب سے بڑا وصف حقوق انسانی کی بحالی ہے۔ اسلامی حکومت کے فرائض میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں۔

1 جان کی حفاظت:

کسی بھی انسان کی حیات کو منقطع کرنے کا حق صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو زندگی عطا کی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے تو وہ ناحق فساد فی الارض کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ایک ایک فرد کی جان کی حفاظت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾

(بنی اسرائیل: 33)

''اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ، اور جو شخص قتل کر دیا جائے اس حال میں کہ وہ مظلوم ہو، تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے

لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوگا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾ (المائدۃ: 32)

''جس نے ایک جان کو کسی جان کے (بدلے کے) بغیر یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا''

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک جان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ بلکہ اسلام تو یہی درس دیتا ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس کی جان محفوظ ہو گئی۔ لہٰذا کسی بھی اسلامی حکومت کا اولین فرض یہی ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ہر فرد کی جان کے تحفظ کے لیے جامع منصوبہ بندی کرے۔ جان کو محفوظ کرنے کے لیے قتل جان کے جن طریقوں پر کنٹرول کرنا ہوگا وہ درج ذیل ہیں۔

- قتل اولاد
- قتل مومن
- خودکشی
- غیر مسلم کا خون

2 حفاظت مال:

مال زندگی کی بقاء کا ایک اہم وسیلہ اور ضروریات زندگی کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔ بقدر کفایت مال کے بغیر زندگی کا چلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ اس لیے اسلام دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کو حرام قرار دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: 188)

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ انہیں حاکموں کی طرف لے جاؤ تاکہ لوگوں کے اموال میں سے ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ناجائز طریقے سے مال کھانے کی تمام صورتوں مثلاً: چوری، ڈکیتی، جوا، سود، غصب، دھوکہ، خیانت، ناپ تول میں کمی، اکتناز اور احتکار کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مال کی حفاظت کے لیے انتظام کرے۔

3 حفاظت آبرو:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قابل تکریم بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: 70)

''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت والا بنایا۔''

اس لیے اسلام نے حرمت جان و مال کے ساتھ ساتھ عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ سورۃ الحجرات میں انسان کی تکریم کی غرض سے فرمایا:

- کسی کا مذاق نہ اُڑایا جائے۔
- کسی پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔
- کسی کو برے القاب سے نہ پکارا جائے۔
- بدگمانی اور غیبت سے اجتناب کیا جائے۔
- ایک دوسرے کے عیوب اور خامیاں تلاش نہ کی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں جان و مال کی حفاظت کا تذکرہ کیا وہاں عزت و آبرو کی حفاظت کا بھی خصوصی تذکرہ فرمایا۔ گویا جتنی جان کی حفاظت ضروری ہے اتنی عزت و آبرو کی بھی حفاظت ضروری ہے، لہٰذا اسلامی حکومت و ریاست کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی عزت کے تحفظ کے لیے زنا و بہتان پر اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ حدود کا نفاذ کرے اور عزت کے حوالے سے جہاں حدود کا بیان نہیں کیا گیا وہاں تعزیرات مقرر کرے۔

4 شخصی آزادی کا تحفظ:

اسلامی ریاست میں جرم ثابت ہوئے بغیر کسی شہری کو قید یا نظر بند کرنا جائز نہیں۔ شخصی

آزادی ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا عدالتی کاروائی کا طریقہ یہ تھا کہ جب تک جرم کی پوری طرح تحقیق کرتے ہوئے اس کی تہہ تک نہ پہنچ جاتے، اس وقت تک سزا نہیں دیتے تھے۔ اس کی مثال ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ مختلف انداز و اطوار سے جرم کے بارے میں استفسار فرماتے رہے، چنانچہ جب قطعی یقین ہو گیا کہ ماعز رضی اللہ عنہ مجرم ہیں تو آپ ﷺ نے انھیں رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ ❶ قرآن و سنت کی رو سے کسی بھی فرد و بشر سے اس کی شخصی آزادی چھین کر اپنا غلام بنا لینا جائز نہیں۔

5 مذہبی آزادی:

اسلام نے جبراً دین و عقائد کی تبدیلی کو ناپسند کیا ہے اور واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرۃ: 256)

''دین (قبول کروانے) میں کوئی جبر نہیں ہے۔''

اس لیے اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی ریاست میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دے۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب ''کتاب الاموال'' میں بزور شمشیر فتح کیے گئے مقامات کی فہرست دینے کے بعد لکھا ہے:

''تمام علاقے تلوار کے ذریعے فتح کیے گئے لیکن وہاں کے باشندوں کو مذہب و شریعت کی پوری آزادی کے ساتھ بسنے کی اجازت دی۔'' ❷

مذہبی آزادی کے حوالے سے اسلامی حکومت کو چاہیے کہ وہ درج ذیل آیات کے تناظر میں قانون سازی کرے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (الکافرون: 6)

''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔''

﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشیہ: 22)

---

❶ دیکھیے: الصحیح للبخاری: 6842.

❷ اسلام کا سیاسی نظام، ص: 79۔

’’تو ہر گز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔‘‘

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ (آل عمران: 20)

’’اگر یہ دھیان نہ دیں (تو جان لیں) آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے۔‘‘

6 حق مساوات:

اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو بحیثیت انسان برابر پیدا کیا اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت و برتری نہیں دی۔ اللہ نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

(الحجرات: 13)

’’اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

اسی طرح امن کے داعی، پیغمبر انقلاب ﷺ نے انسانیت کے اولین اور عالمی منشور، یعنی خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا اَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ، وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ، اِلَّا بِالتَّقْوٰى.))[1]

’’یاد رکھو! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر یا کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ ہاں! اگر ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر۔‘‘

لہٰذا اسلامی حکومت کی ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو مساوات و برابری کا حق دے اور

[1] مسند احمد 38/ 473, 23489.

حق مساوات میں درج ذیل تین حقوق نمایاں ہیں۔

❊ قانونی مساوات ❊ معاشرتی مساوات ❊ اقتصادی مساوات

1 قانونی مساوات:

اسلامی حکومت میں قانونی اور آئینی لحاظ سے امیر اور غریب کے درمیان قانون کے غیر مساویانہ اطلاق کا تصور بھی نہیں پایا جاتا۔ اسلام ہر کسی پر قانون نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے جب کہ اسلام سے پہلے دیگر اقوام میں یہ رویہ پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی بڑا شخص جرم کرتا تو سے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور آدمی جرم میں پکڑا جاتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ یہی وہ قانونی ناہمواری تھی جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، لیکن اسلام نے ایسی تمام ناہمواریوں کو ختم کر کے ہر امیر و غریب پر قانون کے نفاذ کو ضروری قرار دے دیا۔ بنو مخزوم کی عورت نے جب چوری کی تو نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ قریشی لوگوں نے اس رسوائی سے بچنے کے لیے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بطور سفارشی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھیجا تو آپ ﷺ نے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.))[1]

’’اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔‘‘

آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ اسلام ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں قانون کا اطلاق سب پر یکساں ہوتا ہے۔

2 معاشرتی مساوات:

اسلامی حکومت کو اگر اس کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں رعایا کو معاشرتی لحاظ سے مساوات حاصل تھی، ایسا نہیں تھا کہ ایک مالدار شخص کو زیادہ عزت و احترام دیا جائے اور ایک غریب اور نادار شخص کو کوئی حیثیت نہ دی جائے، بلکہ معاشرتی اعتبار سے ہر کسی کو اس کا حق بہم

[1] صحیح بخاری 3485۔

پہنچایا جاتا تھا۔ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین اپنی مجلسوں میں کمزور و ناتوں لوگوں کو بھی وہی جگہ دیتے تھے جو صاحب دولت وثروت لوگوں کو دی جاتی تھی۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ تشریف فرماتھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے نبی ﷺ کی بائیں جانب کچھ بزرگ صحابہ تھے جب کہ دائیں جانب ایک لڑکا یا اعرابی تھا اسی اثناء میں دودھ کا پیالہ آیا، تو آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمانے کے بعد اس اعرابی سے کہا: ''یہ دودھ اب تمہارا حق ہے اگر تم چاہو تو میں انہیں دے دوں۔'' اس نے کہا: میں اجازت نہیں دیتا تو نبی ﷺ نے دودھ کا پیالہ اس اعرابی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ❶

یہ پیالہ اس اعرابی کا حق بنتا تھا کیونکہ وہ دائیں جانب تھا۔ نبی ﷺ نے اپنے عمل سے یہ پیغام دیا کہ اسلامی حکومت کے حاکم کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کو حق مساوات دے اور اس جیسی مساوات معاشرتی مساوات کے زمرہ میں آتی ہیں۔

③ اقتصادی مساوات:

کاروبار، تجارت اور معیشت میں ہر کسی کے لیے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا برابر کی آزادی دینا ''اقتصادی مساوات'' کہلاتا ہے۔ یہ نہیں کہ حکومت کے منظورِ نظر لوگوں کو ہر طرح کے کاروبار کی آزادی دی جائے، جب کہ غربت میں پسے ہوئے لوگوں پر کاروبار اور تجارت کرنے کے لیے مختلف پابندیاں اور خود ساختہ قوانین بنادیے جائیں، جیسا کہ جاگیردانہ اور سرمایہ دارانہ نظام میں عموماً ہوتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے وسائل معیشت مثلاً سرکاری زمینوں، کانوں اور جنگلات پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی ایسی جگہ جس پر کسی کا تصرف نہ ہو اور وہ چیز مفاد عامہ کے لیے ہو تو اس پر تمام رعایا کا حق ہوتا ہے مثلاً: نبی ﷺ نے ایک عام سے آدمی کو نمک کی کان دے دی۔ ❷

اسی طرح ایک مفلس و نادار آدمی جب آپ ﷺ سے صدقہ کا سوال کرنے آیا تو آپ ﷺ نے اسے کلہاڑا خرید کر لانے کو کہا اور پھر خود اس کلہاڑے میں لکڑی لگا کر اسے حکم

❶ صحیح بخاری 5620۔
❷ جامع ترمذی، 1380۔

دیا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ۔ ❶ ان دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ نہریں، کانیں اور جنگلات جیسی تمام چیزوں میں اسلامی حکومت لوگوں کو اپنی گزر بسر کے لیے کام کاج کرنے کے یکساں مواقع فراہم کرے۔

اسلام سے قبل اقلیتوں کی حالت

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب سے ریاست نے جنم لیا، اقلیتیں اور ماتحت ریاستیں کے ظلم و استبداد کے لیے تختہ مشق بنی رہیں اور ذلت و مسکنت کی زندگی گزارتی رہیں۔ غلامی کا رواج عام تھا اور محکوم قوم کو معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی آزادی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اسلام سے قبل مختلف محکوم اقوام کی حالت کیا تھی اس کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

اقلیت بابل:

بابل کے بادشاہ بخت نصر کے دور میں بنی اسرائیل کو نظر بند کیا گیا، ان سے ہر قسم کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کا مال محفوظ تھا، نہ عزت اور نہ ہی انہیں سماجی اور مذہبی آزادی تھی۔ 60 فٹ لمبا سونے کا بت بنا کر انہیں پوجنے کے لیے مجبور کیا جاتا اور جو اس کام سے انکار کرتا اسے آگ میں جلا کر ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا جاتا۔

اقلیت مصر:

ایک وقت تھا کہ مصر پر قبطی قوم حکمران تھی جب کہ بنو اسرائیل اقلیت میں تھے۔ مصر کے فراعنہ اپنے اپنے ادوار میں بنو اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے، ہر قسم کی سزاؤں، ایذاؤں اور ظلم کے باوجود جب بنو اسرائیل بڑھتے رہے تو فرعون اور آل فرعون بہت پریشان ہوئے اور ان کا وجود ختم کرنے کے لیے ایک نیا حربہ استعمال کیا جس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ﴾ ❶

❶ سنن ابی داؤد: 1641.

پھر تاریخ نے جب اپنا رخ بدلا اور بنی اسرائیل مظلومیت و محکومیت کے پھندے سے نکلی اور دوسری اقوام کو زیر کرنے کے لیے میدان میں آئی تو ماتحتوں کے بارے انھیں یہ تعلیم دی گئی۔

یہاں ہم تورات کے چند ایک اقتباسات درج کرتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ پہلی حکومتوں میں اقلیتوں کی کیا حالت تھی۔

- ''جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالناo [1]
- ان قوموں کے شہر میں جنہیں خداوند تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جینا نہ چھوڑ۔'' [2]
- ''سو تم ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کر دےo ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہے اپنے لیے زندہ رکھوo'' [3]

اقلیت روم:

رومی سلطنت کے نزدیک مفتوحہ قومیں غلام ہوا کرتی تھیں، جنگ میں گرفتار ہونے والے لوگوں کو بازاروں میں فروخت کر دیا جاتا تھا، رومی بادشاہ جب عیسائی ہوا تو غیر عیسائیوں کو جبراً مذہب عیسائیت قبول کرواتا۔ یہودی اقلیت کو بیت المقدس سے باہر نکال دیا اور بیت المقدس کے 300 فٹ کے احاطہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

اقلیت یونان:

یونان میں غلاموں کا تصور عام تھا۔ یونانی قوم جن اقوام کو مغلوب کر لیتی وہاں کے باشندے ان کے غلام سمجھے جاتے اور انہیں ہر قسم کی آزادی سے محروم کر دیا جاتا اور اگر کوئی شخص کام کرنے سے انکار کر دیتا تو مار مار کر اس کی کھال ادھیڑ دی جاتی۔ مشہور یونانی مفکر

[1] استثناء 13:20
[2] استثناء 17:20۔
[3] گنتی باب 17، 18.

ارسطو نے ملکی استحکام اور بقاء کے لیے غلام کے وجود کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے کہا:

''غلام ایک ایسا ذی روح آلہ یا متاع ہے جس کے ذریعے زندگی کا نظام چل رہا ہے۔''

اقلیت فارس:

فارسی اکثریت نے عیسائی اقلیت کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا۔ شاہ روم چونکہ عیسائی تھا اس لیے ایرانی ہمیشہ عیسائیوں کو شک کی نظر سے دیکھتے اور معمولی غلطی پر بھی دردناک سزائیں دیتے تھے۔ [1]

اسلام اور اقلیت

اسلام سے پہلے اقلیتوں کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے، انہیں معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی آزادی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جس میں غیر مسلم رعایا کے حقوق کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔

اقسام اقلیت:

اسلامی حکومت میں اقلیت کی دو اقسام ہیں۔

① معاہد ② اھل العنوہ

1 معاہد:

وہ غیر مسلم جو مصالحت و معاہدہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے رعایا بنتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں انہیں ''معاہد'' یا ''ذمی'' کہا جاتا ہے۔

2 اھل العنوہ:

وہ لوگ جو کسی بھی ریاست میں رہتے ہوں اور مسلمانوں نے انہیں شکست دے دی ہو اور وہ مغلوب ہو کر اسلامی ریاست کو جزیہ دے کر اپنی ریاست میں رہنے کا معاہدہ کر لیں۔

[1] اسلام کا سیاسی نظام از پروفیسر غلام رسول چیمہ صفحہ 74 تا 76۔

اسلام میں اقلیتوں کے حقوق

اسلام نے اقلیتوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1 معاہدوں کی پابندی:

اسلام نے اسلامی حکومت کو حکم دیا ہے کہ جن لوگوں سے معاہدہ ہو چکا ہے ان کے معاہدوں کو نہ توڑا جائے اور نہ ہی ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾ (الانفال: 72)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ بھی نہیں ہے، یہاں تک وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا ہو، اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔''

اسی طرح جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جب اہواز کے ذمی لوگوں کو بھاگتے دیکھا تو والی بصرہ عتبہ بن غزوان کو خط لکھا کہ ''لوگوں کو ذمیوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرنے سے روکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدعہدی اور ظلم کی وجہ سے حکومت تم سے چھین لی جائے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی وعدہ پر حکومت عطا کی ہے۔ اس لیے اس عہد کو پورا کرو اور اللہ کے حکم اور مرضی پر عمل کرو تبھی اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔''

2 مکمل مذہبی آزادی:

ذمی اپنی بستیوں میں مذہبی فرائض بجا لانے میں آزاد ہوں گے۔ ان کی عبادت پر کسی قسم کی پابندی لگائی جائے گی اور نہ ہی ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا جائے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو فتح کیا تو اہل حیرہ سے

معاہدہ کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے:

''ان کی خانقاہیں اور گرجے نہیں گرائے جائیں گے اور نہ ہی ان کی عید کے دن انہیں ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔''

اسی طرح فاتح شام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کو عبادت گاہوں کے تحفظ کی پوری ضمانت دی اور ان سے لکھے گئے معاہدے میں یہ بات طے کی گئی کہ: ''ان کی خانقاہیں اور گرجے برقرار رکھے جائیں گے۔''

3 جان، مال اور عزت کی حفاظت:

اسلام جس طرح اسلامی حکومت کو مسلمان رعایا کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح اس نے اہل ذمہ یا اقلیتوں کے ان حقوق کی حفاظت کا بھی حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ .))[1]

''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔''

اسی طرح اسلامی حکومت پر ضروری ہے کہ وہ ذمیوں کے مال کی حفاظت کرے اور حکومت کو بھی اگر ذمیوں کے اموال کی ضرورت پڑ جائے تو وہ معاوضہ کے ساتھ لیے جائیں اور اگر کوئی مسلمان ان کا نقصان کر دے تو اس نقصان کا بھی ازالہ کیا جائے۔ اسلام میں اقلیت کی عزت و ناموس کی بھی وہی تحفظ حاصل ہے جو ایک مسلمان کی عزت و آبرو کو حاصل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گورنر حمص حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے کسی ذمی کی متعلق یہ کلمہ نکل گیا: ''اللہ تجھے رسوا کرے۔''

پھر انہیں اپنے اس رویے پر سخت ندامت ہوئی اور اپنے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

4 روزی کا ذمہ:

اگر کوئی ذمی بڑھاپے یا بیماری و معذوری کی وجہ سے عاجز آ جائے تو اسلامی حکومت بیت

[1] صحیح بخاری: 3166۔

المال سے اس کے گزارے کے مطابق اس کا وظیفہ مقرر کرے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقے کے ذمیوں کے حالات معلوم [illegible] بوڑھے ہو چکے ہیں اور روزی کمانے کے قابل نہیں رہے ان کی گزر بسر کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''ہم نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ جب تم جوان اور کماتے تھے تو ہم نے تم سے جزیہ وصول کیا اور اب تم کمانے کے قابل نہیں رہے تو ہم نے تمہیں نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔'' [1]

5 سیاسی حقوق:

اسلامی حکومت میں اگر کوئی سمجھدار، باشعور، با اثر اور سیاسی امور سے واقف ذمی شخص رہتا ہو تو اس سے انتظامی امور میں مشاورت کی جائے۔ اسی طرح اقلیتوں کے معاملات میں انہی کی رائے معتبر ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے انتظامی امور کا فیصلہ کرنے کے لیے وہاں کے اقلیتی رہنما ''مقوقس'' سے رائے لی تھی۔

6 اقلیتوں کے پرسنل لاء:

اسلامی حکومت میں اقلیتوں کے کھانے، پینے، عبادت اور نکاح جیسے معاملات میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ تاریخ سپین کا مصنف لکھتا ہے:

''جن عیسائیوں نے مفتوحہ ملک میں رہنا پسند کیا، ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق تھا کہ اپنے طور اپنی عبادت آزادی کے ساتھ کر سکیں۔ ان کی عورتوں کو فاتحین کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت تھی اور قانونی لحاظ سے ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے وہ مفتوح یا غلام

[1] اسلام کا سیاسی نظام، ص: 83، بحوالہ الاموال لابی عبید۔

معلوم ہوں۔'' [1]

7 فوج میں بھرتی کے مواقع:

اسلامی حکومت اقلیتوں سے جزیہ وصول کرتی ہے، اس لیے ان کی حفاظت کرنا حکومت کا فرض بنتا ہے۔ لہٰذا اگر اسلامی حکومت ان کی حفاظت نہ کر سکے تو دفاعی ٹیکس کے طور پر لیا گیا جزیہ واپس کرنا پڑے گا۔ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلم باشندے اگر اپنی مرضی سے فوج میں بھرتی ہونا چاہیں تو حکومت کو ان سے خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ ایک عام فوجی کو ملنے والا معاوضہ بھی اسے دیا جائے گا۔ معاہدہ آذربائیجان میں واضح طور پر لکھا گیا تھا کہ:

''اقلیت کے وہ افراد جو اسلامی فوج میں حصہ لیں گے اُن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔''

8 قانونی حق مساوات:

اسلامی حکومت میں مسلمان اور ذمی قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ فاتح قوم نے مفتوح یا مغلوب قوم کو قانون میں اپنے برابر قرار دیا ہو۔ یہ امتیاز بھی اسلام کو حاصل ہے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک یہودی نے ان کی ذرہ چوری کر لی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ قاضی کے سامنے پیش ہوئے اور اپنے حق میں گواہی دینے کے لیے دو گواہ پیش کیے۔ ایک سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ایک ان کا غلام، لیکن قاضی نے گواہی مسترد کر دی کہ باپ کے حق میں بیٹے اور مالک کے حق میں غلام کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ یہودی یہ قانونی مساوات دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

9 وصولیٔ جزیہ میں نرمی:

اسلامی بیت المال میں بہت بڑی آمدن جزیہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ذمیوں

[1] اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ 85۔

کی طرف سے جزیہ کی ادائیگی میں تاخیر ہوجائے تو ان پر سختی نہ کی جائے بلکہ آسانی تک مہلت دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جزیہ کی وصولی کے بعد خفیہ طور پر تفتیش کرتے تھے کہ کہیں ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر تو جزیہ وصول نہیں کیا گیا۔ ❶

شہریوں کے فرائض اور اسلامی حکومت کے حقوق

حکومت اور رعایا ملے تو ایک ریاست قائم ہوتی ہے۔ یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، چنانچہ جس طرح حکومت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے رعایا کو اس کے حقوق دیتی ہے، ایسے ہی رعایا اور شہریوں کے ذمہ بھی اسلامی ریاست کے کچھ حقوق ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ سمع وطاعت:

خلیفہ، امیر یا اسلامی حکومت کے فرمانروا کا اولین اور بنیادی حق یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں بسنے والا ہر شہری اس کی بات سنے اور مانے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَطِیْعُوااللّٰہَ وَ اَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ ﴾ (النساء: 59)

''اللہ اور اس کے رسول اور نیز (اسلامی) حکام کی اطاعت کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں متعدد دفعہ اس بات کا اعادہ فرمایا کہ ماتحت لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خلیفہ اور اربابِ اقتدار کا حکم مانیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَأْسَهُ زَبِیْبَةٌ .)) ❷

''اگر تم پر ایسا حبشی غلام مقرر کر دیا جائے جس کا سر منقی (کشمش) کی طرح ہو تو تم (پر واجب ہے کہ) اس کی بات سنو اور مانو۔''

لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ کسی بھی امیر، خلیفہ یا حاکم کا وہی حکم مانا جائے گا

❶ اسلام کا سیاسی نظام، ص: 186۔
❷ صحیح بخاری: 693۔

جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ لیکن جہاں کسی بھی امیر، خلیفہ یا حاکم کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون سے متصادم ہو وہاں حاکم کی بات نہیں مانی جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ فَاِذَا اُمِرَ بِالْمَعْصِيَةِ فَلاَ سَمْعَ وَلاَطَاعَةَ .)) ❶

''سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے جب تک نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے اور جب نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس وقت نہ سننا اور نہ اطاعت ہے۔''

❷ قانون کا احترام اور پابندی:

جس معاشرے میں قانون شکنی معمول بن جائے وہاں کا امن تباہ ہو جاتا ہے اور فساد، جھگڑا اور خانہ جنگی کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے شہریوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسلامی اور ملکی قوانین کی پابندی کریں تاکہ ملک میں امن قائم ہو سکے اور ملک سے لڑائی، جھگڑا اور فسادات جیسے ناسور کا خاتمہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ (الاعراف: 85)

''زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔''

فساد فی الارض کی سب سے بڑی وجہ قانون شکنی ہوتی ہے، لہٰذا آپ کہہ سکتے ہیں کہ فساد قانون شکنی کا دوسرا نام ہے اور معاشرہ یا ریاست فساد سے تب ہی محفوظ رہ سکتے ہیں جب رعایا اور امراء بھی قانون کا احترام اور پابندی کریں۔ اس کے برعکس جو لوگ اسلامی قوانین کی دھجیاں اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ذلت ورسوائی کو ان کے مقدر میں لکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ ﴾ (المجادلہ: 20)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (کے قوانین) کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں۔''

❶ صحیح بخاری، 2955۔

3 باہمی تعاون:

ملک کا نظم و نسق باہمی تعاون سے ہی چلتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعاون سے ضروریات و احتیاجات کو پورا نہ کریں تو معاشرے میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اس لیے رعایا کو چاہیے کہ معاشرے میں ایک دوسرے سے تعاون رکھیں تا کہ معاشرہ صحیح راہ پر چلتا رہے۔ ملک میں رہتے ہوئے اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا دراصل حکومت کے ساتھ تعاون ہے۔ اگر ایسا تعاون ختم ہو جائے تو حکومت کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ (المائدۃ: 2)

''اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون کرو۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے افراد کو ایک عمارت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

((اَلْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا .))[1]

''مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔''

4 قیامِ امن کی کوششیں:

اچھے شہری کا کام صرف قانون کی پاسداری کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ قوانین کے نفاذ میں حکومت کی مدد کرے اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کا ساتھ دے، جب تک ہر شہری ملک کے قوانین کا محافظ نہ ہو تو اس وقت تک ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

5 رضا کارانہ خدمات:

اسلام کے تحفظ کے لیے حکومت کا تحفظ بے حد ضروری ہے۔ اس لیے ہر شہری کا فرض

[1] صحیح بخاری، 2446۔

ہے کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت ملک کے دفاع کی ہر ممکن کوشش کرے اور بڑی سے بڑی قربانی کے لیے اپنے آپ کو فوجی خدمات کے لیے تیار رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾

(الانفال: 60)

''اور ان کے مقابلے کے لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو جتنی کر سکو۔''

6 تعلیم و صحت:

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی تعلیم و صحت کی ضروریات بہم پہنچائے لیکن اسلامی حکومت میں بسنے والے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم و صحت کا خیال رکھے نیز تعلیم کی وجہ سے انسان میں سیاسی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی شعور بیدار ہوتا ہے اور تعلیم یافتہ معاشرہ ہی بہترین معاشرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر: 9)

''کہہ دیجیے! کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ .))[1]

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

[1] سنن ابن ماجہ، 224۔

سوالات

-1 اسلامی حکومت کے فرائض پر روشنی ڈالیں؟

-2 مساوات کی تعریف کرتے ہوئے اس کی مختلف اقسام کا جائزہ لیجئے؟

-3 اسلام سے قبل اقلیتوں کی حالت کا جائزہ پیش کریں؟

-4 اسلام میں اقلیتوں کے حقوق بالتفصیل بیان کریں؟

-5 شہریوں کے فرائض اور اسلامی حکومت کے حقوق پر تفصیلی نوٹ قلمبند کریں؟

باب 5

دستور (Constitution)

- دستور کی تعریف و مفہوم
- اقسامِ دستور
- اہمیت دستور
- اسلامی دستور کی بنیادیں اور خصوصیات

دستور

دستور کی تعریف:

''انگریزی زبان میں لفظ (Constitution) کے لغوی معنی جسمانی ساخت کے ہوتے ہیں۔''

لیکن اصطلاح میں دستور سے مراد وہ منظور شدہ قواعد و ضوابط ہیں، جن کے مطابق حکومت کا انتظام و انصرام چلایا جاتا ہے۔''

ارسطو کے نزدیک: ''دستور اس اصول کو کہتے ہیں جس کے مطابق حکومت کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔''

دستور کی اقسام:

دستور کو مندرجہ ذیل طریقوں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

1 تحریر کے اعتبار سے:

دستور کس حد تک لکھا گیا اس اعتبار سے دستور کی دو اقسام ہیں۔

* تحریری دستور * غیر تحریری دستور

2 ترمیم کے اعتبار:

ترمیم کے اعتبار سے بھی دستور کی دو اقسام ہیں۔

* استوار * لچک دار

3 عوام کی حکومت میں شراکت کے اعتبار سے:

عوام کس حد تک حکومت میں حصہ دار ہیں اس لحاظ سے بھی دستور کی دو اقسام ہیں۔

* جمہوری * غیر جمہوری

4 بنیاد کے اعتبار سے:

دستور کی بنیاد کس طرح پڑی، کسی معینہ وقت پر بنایا گیا یا اس نے بتدریج ترقی کی۔ اس اعتبار سے بھی اس کی دو اقسام ہیں۔

* مخصوص * ارتقائی

5 اختیاراتِ حکومت کی تقسیم کے اعتبار سے:

اختیاراتِ حکومت کی تقسیم کے اعتبار سے بھی دستور کی دو اقسام ہیں۔

* افرادی * وفاقی

اہمیت دستور:

سیاسی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو دستور کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ملک میں اگر دستور نہ ہو تو ہر طرف فساد اور لاقانونیت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ شہریوں کی جان، مال اور عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس لیے کوئی بھی حکومت دستور کے بغیر نہیں چل سکتی۔ دستور ہی کی وجہ سے ملک میں امن و امان قائم رہتا ہے اور لوگ پر سکون زندگی بسر کرتے ہیں۔ دستور شہریوں کے حقوق و فرائض متعین کرنے کے ساتھ ساتھ عمالِ حکومت کے اختیارات و فرائض بھی واضح کرتا ہے۔ حکومت کی مشنری کو چلانے کے لیے دستور کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ دستور کے بغیر کوئی بھی حکومت نہیں چل سکتی۔ نیز دستور وہ چیز ہے جس پر حکام اور حکومت کو بھی عمل کرنا ضروری ہے کوئی بھی آدمی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسلامی دستور کی بنیادیں اور خصوصیات

1 اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:

دستور اساسی میں مطلق طور پر حاکمیت صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ حقیقی بادشاہت صرف اللہ کی ہے، وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

﴿تَشَآءُ ؕ﴾ (آل عمران: 26)

''کہہ دیجیے اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (یوسف: 40)

''حکم صرف اللہ کا ہے۔''

اس لیے دستور اساسی میں اللہ کے حکم کو سب سے مقدم رکھا جائے۔

2 اطاعتِ رسول:

اسلامی دستور کے مطابق کوئی شخص، وہ حاکم ہو یا رعایا جب تک اطاعت الٰہی کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کو اپنا شعار نہیں بنائے گا اس وقت تک وہ دنیا و آخرت کے کسی بھی میدان میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، نیز رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: 80)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

3 باہمی مشاورت:

اسلامی دستور کے مطابق فرد واحد اپنی مرضی کے مطابق ہر فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ قرآن و سنت کے نصوص فرد واحد کی آمریت کو رد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران: 159)

''اور ان (لوگوں) سے معاملات میں مشورہ کیجئے۔''

﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪﴾ (الشوریٰ: 38)

''اور ان کے باہمی معاملات مشاورت سے طے پاتے ہیں۔''

4 حکومت کی باگ ڈور صالحین کے ہاتھ میں:

اسلامی دستور کے مطابق کوئی بھی سرکش، ظالم اور اللہ کے عہد کو پامال کرنے والا زمین میں حکومت کا حقدار نہیں ہوگا، حکومت و سلطنت اور دنیا کی حکمرانی اللہ کے نیک بندوں کا حق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء: 105)

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''

5 نظامِ خلافت:

اسلامی دستور کی رو سے حکومت، بادشاہت کی طرح وراثت میں نہیں ملتی بلکہ اسلام میں خلافت کا نظام ہے۔ جس کی دو ہی صورتیں ہیں۔

① خلیفہ رعایا میں سے کسی زیرک اور قائدانہ صلاحیت کے حامل شخص کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دے دے۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حق عوام کی مجلسِ شوریٰ کو دے دیا جائے کہ وہ اپنے لیے کسی باصلاحیت شخص کو خلیفہ مقرر کرلیں جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

6 قرآن و سنت کی بالادستی:

اسلامی دستور کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کے بنائے ہوئے قوانین کے مخالف کوئی بھی قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح عدالتی قوانین میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو مقدم رکھا جائے گا۔ اسلامی دستور میں قرآن و سنت کو اسقدر بالادستی حاصل ہے کہ جو شخص قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اسے کافر و ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ: 44)

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (قوانین) کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ: 45)

''جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ نہ کریں، یہی لوگ ظالم ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ: 47)

''جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ فاسق ہیں۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ﴾ (المجادلہ: 20)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگ ہیں۔''

7 عدل و انصاف:

کسی بھی حکومت کو قائم رکھنے کے لیے عدل و انصاف کی فراہمی ایک بنیادی ستون ہے۔ جس ملک میں عدل و انصاف نہ ہو وہاں فسادات اور باہمی جھگڑے معمول بن جاتے ہیں۔ اسلام نے اپنے دشمن کے ساتھ بھی بے انصافی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ: 8)

''کسی قوم کی دشمنی تمہیں نا انصافی پر نہ ابھارے، عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

لہٰذا اسلامی دستور عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

8 امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اسلامی دستور کا یہ ایک بنیادی وصف یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلامی

حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے اور یہی وہ کام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا۔ لہٰذا اگر مسلمانوں کو کوئی ملک یا علاقہ مل جائے تو وہ اپنی ریاست میں بھلائی کے فروغ اور منکرات کے خاتمہ کے لیے تمام تر کوشش بروئے کار لائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (الحج: 41)

''وہ لوگ کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔''

9 قیام امن:

اسلامی دستور میں امن کا قیام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام کا لفظ ہی امن و سلامتی کو ظاہر کرتا ہے، چنانچہ جو دستور امن قائم کرنے سے قاصر ہو اسے اسلامی دستور نہیں کہا جا سکتا۔ قرآنی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام امن عالم کا داعی ہے۔ اسلام کے مرکز مکہ مکرمہ کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ (البقرۃ: 126)

''اے میرے رب! اس کو امن والا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر کے فرمایا:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ﴾ (التین: 1-3)

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس پر امن شہر (مکہ) کی۔''

اسلام تعلیم دیتا ہے:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

الْعَلِيْمُ ﴾ (الانفال: 61)

''اے نبی! اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

ملک میں قیام امن کے لیے بنیادی کوشش شرک کی بیخ کنی کے لیے ہونی چاہیے، کیونکہ شرک سے پاک معاشرہ ہی امن کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ﴾ (الانعام: 82)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کی آمیزش نہ کی تو ان کے لیے ہی امن ہے۔''

10 اسلام کی نشر و اشاعت:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد اسلام کی اشاعت بتایا ہے اور پھر انبیاء کا سلسلہ ختم فرما دیا۔ لہٰذا انبیاء کے بعد اسلام کی دعوت اور نشر و اشاعت کا کام علماء اور اسلامی حکومت کا ہے، لہٰذا اسلامی دستور میں اس کام کو ایک مکمل منشور کے تحت رائج کیا جائے۔

سوالات

1- دستور کی تعریف کرتے ہوئے اس کی اہمیت واضح کریں؟

2- دستور کی مختلف اقسام کو احاطہ تحریر میں لائیں؟

3- اسلامی دستور کی بنیادوں اور خصوصیات پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

باب 6

قانون

- تعریف و مفہوم
- انسانی اور الٰہی قانون میں فرق
- اسلامی قانون کے مصادر
- اسلامی قانون کی خصوصیات

قانون

__تعریف:__

قانون کے لیے انگریزی میں لفظ (Law) استعمال کیا جاتا ہے، جو کہ قدیم جرمن لفظ (Log) سے مشتق ہے جس کا معنی ہے منجمد یا ہموار چیز۔ انگریزی میں یہ لفظ یکسانیت کے معنی میں استعمال ہوتا اور سبب اور نتیجہ کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔

علم تمدن میں "قانون اس "اصول" کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق سلطنت سے ہو، یعنی قانون سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کے ہوتے ہوئے سلطنت پر امن طریقے سے چلتی ہے۔"

دوسرے الفاظ میں "قانون ان اصول وقواعد پر مشتمل ہوتا ہے جو عدالت ہائے انصاف کے نزدیک مسلمہ ہوں اور جس پر عدالتیں عامل ہوں۔"

سالنڈ کے نزدیک: "قانون اصول وضوابط کے اس مجموعے کا نام ہے جو ریاست یا سلطنت اپنی حکومت میں عدل وانصاف قائم رکھنے کے لیے منظور اور نافذ کرتی ہے۔"

انسانی اور الٰہی قانون میں فرق

قانونِ الٰہی	قانونِ انسانی
* قانون الٰہی کا آغاز تخلیق انسانی کے ساتھ ہوا اور اس قانون کو اللہ نے بذریعہ وحی نازل کیا اور انبیاء کے ذریعے نافذ کیا۔	* یہ لوگوں کا بنایا ہوا قانون ہے اور اس کی ضرورت تب پیش آئی جب لوگ خاندانوں، قبیلوں اور افراد میں بٹ گئے۔
* قانون الٰہی کسی بھی فرد و بشر کی منظوری کا	* اس قانون کو نافذ کرنے کے لیے کسی فرد

محتاج نہیں، بلکہ اگر کوئی قوم، عدالت یا حکومت اسے تسلیم نہیں کرتی تو وہ مجرم ہے۔	واحد، عدالت اور حکمران کے منظوری کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی منظوری کے بغیر اسے قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔
* قانون الٰہی میں کسی بھی فرد و بشر پر، خواہ وہ حکمران ہو یا رعایا قانون کا احترام کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔	* انسانی قانون میں کچھ لوگوں کو استثناء حاصل ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کر لیں تو ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔
* قانون الٰہی اخلاقی اقدار کی آبیاری کرتا ہے اور معاشرے کی ہر برائی کو برائی کہتا ہے۔	* انسانی قانون کو اخلاقی اقدار سے کوئی غرض نہیں مثلاً انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زنا اس وقت جرم ہے جب عورت پر جبر کیا جائے جبکہ عورت کی رضا مندی کی صورت میں اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔
* قانون الٰہی فطرت کے عین مطابق ہے؛ کیونکہ انسان کو پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کو بنانے والا اس کے نقائص اور خرابیوں کو دور کرنے کے لیے دوسروں سے بہتر ہدایات دے سکتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کے نقائص اور خرابیوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہی صحیح طور پر درست کیا	* انسانی قانون انسانی طبیعت اور جذبات کے مطابق نہیں، اس لیے یہ فطری تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

جا سکتا ہے۔	
* قانون الٰہی میں وحدت و یکسانیت ہے یعنی بنیادی قوانین آپ کو تمام شریعتوں میں یکساں نظر آئیں گے۔	* انسانی قوانین ان خوبیوں سے خالی ہوتے ہیں اور ہر قانون ساز مجلس اپنے طبعی میلان کی وجہ سے پہلے بنائے گئے قوانین سے مختلف قوانین بھی بنا لیتی ہے، لہٰذا انسانی قوانین میں وحدت و یکسانیت ناپید ہوتی ہے۔
* قانون الٰہی سب کے لیے یکساں ہوتا ہے کیونکہ اس میں ذاتی رجحانات اور تعصاب کی آمیزش نہیں ہوتی۔	* انسانی قانون کا مصدر انسانی ذہن ہے اس لیے اس میں ذاتی رجحان اور جذبات اثر انداز ہوتے ہیں۔

قانون اسلامی کے مصادر

اسلامی قانون کے بنیادی طور پر چار ماخذ ہیں۔

① قرآن ② سنت ③ اجماع ④ قیاس

❶ قرآن:

قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس نے قدر کی رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا، پھر 23 سال میں حالات و واقعات اور مشرکین و کفار کے سوالات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔

پھر یہ قرآن تواتر کے ساتھ ہمارے تک پہنچا اور اس کے قطعی الثبوت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ قرآن اہل اسلام کے لیے ایک مستقل اور حتمی قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کی حفاظت اور جمع و تدوین:

رسول اللہ ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ صحابہ کرام کو وحی تحریر کرنے کا حکم

فرماتے اور اس کام کے لیے آپ نے کچھ صحابہ کو ذمہ داری سونپی ہوئی تھی۔ کاتبین وحی میں درج ذیل صحابہ نمایاں ہیں۔

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
- حضرت علی رضی اللہ عنہ
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
- حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
- حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ
- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

کاتبین وحی قرآن کو کھجور کی چوڑی شاخوں، پتھر کی سفید تختیوں، اونٹ کی شانے کی چوڑی ہڈیوں اور رنگے ہوئے چمڑوں پر لکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں قرآن مستقل مصحف کی شکل نہیں دی گئی تھی، چنانچہ عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں کثیر تعداد میں قراء کرام کی شہادت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کیا۔ لوگوں کے پاس یہی صحائف موجود رہے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءت کا اختلاف ختم کر کے ایک متفقہ مصحف تیار کروایا جس میں قریش کے لہجے کو بنیاد بنایا گیا اور آج پوری دنیا میں مصحف عثمانی ہی پڑھا جاتا ہے۔

❷ سنت رسول ﷺ:

''سنت کے لغوی معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں اور اس کی جمع سنن آتی ہے۔''

جبکہ اصطلاحی لحاظ سے ''رسول اللہ ﷺ کے اعمال، اقوال اور تقاریر کو سنت کہا جاتا ہے۔''

اقسام سنت:

حدیث یا سنت کی تین اقسام ہیں۔

* قولی * فعلی * تقریری

* حدیث قولی:

''جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کیا گیا ہو۔''

حدیث فعلی:

"جس میں رسول اللہ ﷺ کا عمل یا فعل بیان کیا گیا ہو۔"

حدیث تقریری:

"جس میں کسی صحابی کے قول یا فعل پر رسول اللہ ﷺ کا سکوت بیان کیا گیا ہو۔"

حدیث کی جمع و تدوین:

نبی ﷺ کے دور میں کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جنہوں نے نبی ﷺ سے احادیث سن کر انہیں قلم بند کیا۔ نبی ﷺ نے ابو شاہ کے مطالبہ پر صحابہ کو حکم دیا تھا کہ میرے فرامین ابو شاہ کو لکھ کر دے دیئے جائیں۔ ❶ اسی طرح تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام نے احادیث لکھی تھیں۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی تحریری شکل میں کچھ مواد موجود تھا نیز عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا "صحیفہ صادقہ" معروف کتابی نسخہ ہے۔ ان کے علاوہ جن صحابہ کرام کے بارے یہ ملتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کو مکتوبات کی صورت میں جمع کیا تھا ان میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، وائل بن حجر، سمرۃ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح سیدہ عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، زید بن ثابت، ابو سعید خدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے گھر حدیث کی درس گاہیں موجود تھیں۔

اس کے بعد عہدِ تابعین میں حدیث کی جمع و تدوین پر کچھ کام ہوا اور بعد کے ادوار میں اس کام نے مزید زور پکڑا اور بہت سے کتابیں مدون ہوئیں۔ چنانچہ جب وضع حدیث کا فتنہ اٹھا تو اللہ تعالیٰ نے محدثین کرام کو توفیق دی کہ انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کے لیے شرائط اور قوانین و قواعد مقرر کیے تاکہ صحیح و غیر صحیح کا پتہ چل سکے اور امت عمل کے لیے صرف صحیح روایات پر اعتماد کرے اور آج الحمد للہ تحقیق کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے جو تعارف کا محتاج نہیں۔

❶ متفق علیہ۔ صحیح بخاری: 2434۔ صحیح مسلم: 1355.

❸ اجماع:

اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کے لغوی معنی "اکٹھا کرنا" یا "اکٹھا ہونا" ہے۔ جب کہ اصطلاحی طور پر: "رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد علماء اور اہل عقل و دانش کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق کر لینا جس پر قرآن و سنت میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو اجماع کہلاتا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی بہت سی باتوں پر اتفاق ہوا جسے اجماع صحابہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اجماع کی اقسام:

اجماع کی دو بڑی اقسام ہیں۔

❊ اجماع صریح ❊ اجماع سکوتی

❊ اجماع صریح:

تمام معتبر مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اس طرح اتفاق و اتحاد کر لینا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے قول و فعل کے ذریعے اپنے رائے کا اظہار کریں "اجماع صریح" کہلاتا ہے۔

❊ اجماع سکوتی:

بعض مجتہدین و علماء کے اتفاق سے کوئی بات منظر عام پر آ جائے اور دوسرے علماء و مجتہدین خاموش رہیں اور اس اتفاق کا انکار نہ کریں تو اسے "اجماع سکوتی" کہتے ہیں۔

کسی بھی معاملہ میں سب سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملہ کو دیکھا جائے گا اور اس کے بعد خیر القرون کے مجتہدین کا اجماع۔

❹ قیاس:

قیاس کے لغوی معنی ماپنا، کسی چیز سے مقابلہ کرنا یا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا۔ جب کہ فقہ کی اصطلاح میں: "دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلہ کا ہو وہی حکم دوسرے مسئلہ کا قرار دینا۔" یا "دو مسئلوں میں مشترکہ علت کی وجہ سے حکم کو اصل سے فرع کی طرف لے جانا "قیاس" کہلاتا ہے۔"

اس کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا دارومدار مخصوص اغراض ومصالح پر ہے اور وہی اغراض ومصالح ان احکام کی علت ہیں۔ اس لیے جب ایک حکم کی علت دوسری چیز میں پائی جائے تو اس چیز پر بھی وہی حکم لگایا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت ''نشہ'' ہے۔ لہٰذا افیون، ہیروئن اور اس جیسی دوسری اشیاء میں یہی علت (نشہ) پائے جانے کی وجہ سے ان پر بھی حرام ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

اسلامی قانون کی خصوصیات

1 مساوی قانون:

اسلامی قانون کی سب سے اولین خصوصیت یہ ہے کہ یہ امیر وغریب اور کمزور و طاقتور کے لیے برابر ہے۔ اس میں قانون کے نفاذ کے لیے امیر یا حاکم کی قربت کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی۔ نبی ﷺ کی سیرت طیبہ میں مشہور واقعہ پیش آیا کہ جب مخزومیہ عورت نے چوری کی اور آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' ❶

2 عالمگیر قانون:

اسلامی قانون ایک خاص علاقہ یا قوم تک محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق دنیا کے کسی بھی کونے میں رہنے والے ہر مسلمان پر ہوتا ہے۔ وہ مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں، اسی طرح ان کا تعلق کسی بھی نسل یا قوم سے ہو، قانون کا اطلاق سب پر یکساں ہوگا۔

3 قانون اسلامی قانون الٰہی ہے:

دنیا کے قوانین کی تاریخ جب پڑھی جاتی ہے تو اس میں یہی چیز سامنے آتی ہے کہ اسے فلاں قانون دان نے مرتب کیا، اسے فلاں نے، اس لیے دنیا کے بنائے ہوئے تمام قوانین کمزوریوں سے خالی نہیں ہیں۔ ہر قانون میں کسی نہ کسی جگہ سقم ضرور پائے جاتے ہیں۔ لیکن

❶ صحیح بخاری، 3485.

اسلامی قانون انسانوں کا وضع کردہ نہیں بلکہ انسانوں کے خالق و مالک کی طرف سے بنایا گیا قانون ہے۔ اس لیے یہ تمام کمزوریوں سے پاک ہے اور اسے نافذ کرنے میں ہی تمام انسانوں کی بھلائی ہے۔

4 حاکم پر نفاذ قانون:

اسلامی قانون کے مطابق کوئی بھی شخص ماورائے قانون کام نہیں کر سکتا۔ اسلامی قانون نے حاکم کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ اس پر بھی وہی قانون لاگو ہوتا ہے جو تمام رعایا پر نافذ کیا جاتا ہے۔ حکمران یا خلیفہ کو کوئی استثناء حاصل نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ ایسے متعدد واقعات سے بھری پڑی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف بحیثیت حکمران بھی اپنے آپ کو قانون سے ماورا نہیں سمجھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا: اگر تم عمر میں ٹیڑھ دیکھو تو کیا کرو گے؟ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہماری تلواریں اس کجی کو سیدھا کر دیں گی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسے بندے بھی پیدا کیے ہیں کہ جو عمر رضی اللہ عنہ کی ٹیڑھ کو سیدھا کرنا جانتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور یہودی کے درمیان زرہ والا معاملہ ہے۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قانون اسلام کے مطابق اپنے خلاف ہونے والے فیصلے کو بخوشی قبول کر لیا۔

5 جامع قانون:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوانین اجمالاً بیان کیے ہیں لیکن کوئی قانون ایسا نہیں ہے جس میں جامعیت نہ ہو۔ قرآن کے بنائے ہوئے قوانین کی دفعات و جزئیات اپنی اپنی جگہ ایک دستور کی حیثیت رکھتی ہیں، جسے نہ ماننے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ: 44)

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (قوانین) کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

سوالات

1- قانون کا لغوی و اصطلاحی مفہوم تحریر کریں؟
2- انسانی اور الٰہی قانون میں فرق پر نوٹ لکھیں؟
3- اسلامی قانون کے مصادر بالتفصیل بیان کریں؟
4- اسلامی قانون کی خصوصیات تحریر کریں؟

باب 7

اجزائے حکومت

- مقننہ
- طریقہ تشکیل، حقوق و فرائض، قانون سازی کا طریقہ
- عدلیہ
- عدالتوں کی اقسام، ابتدائی عدالتیں، قاضی و جج کی شروط
- قاضی کے تقرر کا طریقہ و اختیارات، عدالت کی آزادی
- انتظامیہ
- اہم شعبہ جات (محکمہ تعلیم، دفاع، مالیات ترقی، بہبود، احتساب)

اجزاء حکومت

کسی بھی حکومت کے تین اہم ترین اجزاء ہوتے ہیں۔

① مقننہ ② عدلیہ ③ انتظامیہ

1 مقنّنہ

مقننہ کا مطلب ہے ''قانون بنانے والی مجلس''، یعنی قانون ساز اسمبلی۔

حکومت کا یہ شعبہ یا جزء سب سے اہم ترین شعبہ ہوتا ہے، کیونکہ ہر حکومت کو ملک چلانے کے لیے قوانین اور اخلاقی قواعد وضوابط جمع کرنے پڑتے ہیں اور پھر تمام کام انہی قوانین کے ساتھ انجام دیئے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کسی بھی حکومت کے لیے مقننہ قانون ساز اسمبلی کا ہونا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

مقننہ کا طریقہ تشکیل:

مقننہ یا قانون ساز اسمبلی کے اراکین متعین کرنے کے لیے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔

① خلیفہ یا حاکم صاحب الرائے اور عقل و دانش کے حامل لوگوں کو ارکان مجلس بنا دے۔

② یہ چیز عوام کی رائے پر چھوڑ دی جائے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب کر کے انہیں قانون ساز اسمبلی کا اہل بنا دیں۔

مقننہ کے حقوق:

مقننہ کے حقوق حسب ذیل ہیں۔

* قانون ساز مجلس کے تمام ارکان کو حق حاصل ہے کہ وہ حکومتی انتظامیہ کی تمام کاموں اور ان کی پالیسیوں پر تنقید کرسکیں۔
* خلیفہ یا حاکم اگر اپنی مرضی سے کوئی قانون پاس کر دے تو مقننہ کو حق حاصل ہے کہ وہ

خلیفہ سے مشاورت کا مطالبہ کرے۔

* مقننہ یہ بھی حق رکھتی ہے کہ وہ وزارت خزانہ یا بیت المال کے اثاثہ جات کی جانچ پڑتال کے لیے ایک کمیشن یا کمیٹی مقرر کرے۔
* مقننہ حاکم یا خلیفہ سے بھی احتساب کا مطالبہ کرسکتی ہے۔
* مقننہ کا یہ حق ہے کہ وہ جتنی مدت کے لیے مقرر ہوئی ہے اس مدت کے ختم ہونے تک سربراہ مملکت اسے ختم نہیں کرسکتا۔

مقننہ کے فرائض:

مقننہ کے فرائض درج ذیل ہیں:

* مقننہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جو بھی قانون بنائے وہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہو۔
* مقننہ سربراہ مملکت کی سرگرمیوں کی نگرانی کرے اور اس کی اسلام اور ملک کی خلاف پالیسیوں پر اسے تنبیہ کرے۔
* قانون سازی کرتے وقت عوام کی فلاح و بہبود کو مدِنظر رکھا جائے۔
* خلیفہ یا حاکم اگر سازشی لوگوں کے نظریات کا حامل ہو جائے تو اسے اس کے عہدے سے برخاست کرنا قانون ساز مجلس کی ذمہ داری ہے۔

قانون سازی کا طریقہ

مقننہ اپنے ملک کے لیے جو قانون سازی کرے گی وہ مندرجہ ذیل طریقے سے ہوگی۔

* قانون کا مسودہ حکومت یا مقننہ کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔
* مقننہ کا ہر رکن غیر جانب دارانہ طریقے سے اس مسودے پر غور وفکر کرے گا۔
* قانون ساز مجلس کے ہر ایک فرد کو اس قانون کی جزئیات پر اظہار خیالات کا موقع دیا جائے گا۔
* عوام کی پریشانیاں اور مشکلات دور کرنے کے لیے مقننہ کو سفارشات حکومت کے پاس

بھیجنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

- عوامی مسائل پر بھرپور غور و خوض کے لیے کمیٹیاں بنائی جائیں۔
- مسودہ قانون میں لکھے جانے والے قوانین اسلام سے متصادم نہ ہوں۔
- حکومت اگر قانون کے مسودہ میں اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے تو مقننہ اسے صحیح راہ پر چلانے کے لیے زور دے سکتی ہے۔

2 عدلیہ

حکومت کا دوسرا اہم ترین جز عدلیہ ہے اس سے مراد فیصلے کرنے والا با اختیار ادارہ ہے۔ عربی میں اسے "قضاء" کہا جاتا ہے۔ جب کہ اصطلاح میں: "عدلیہ وہ ادارہ ہے جو مقننہ کی طرف سے بنائے گئے قوانین، کتاب و سنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں نافذ کرنے اور لوگوں کے تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہو۔"

قضاء چونکہ عدل و انصاف سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے عرف عام میں اس ادارے کو "عدالت" یا "عدلیہ" کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: 58)

"لوگوں کے درمیان جب فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: 90)

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

مزید فرمایا:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدۃ: 8)

"عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ اس سے

پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

جب کہ عدالت یہ بھی دیکھے گی کہ اس حکم پر عمل درآمد ہوا ہے یا نہیں۔

اقسام عدالت

اعلیٰ عدالت کی تین بڑی اقسام ہیں۔

- عدالت عالیہ ❁ عدالت عظمیٰ ❁ عدالت مصر (شہر)

عدالت عالیہ (Supreem Court):

یہ ملک کی سب سے بڑی عدالت ہوتی ہے اور تمام صوبوں کی عدالتیں اس کے تحت کام کرتی ہیں۔ اس عدالت کا قاضی وزیر عدل و انصاف کو بنایا جاتا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس قضاء کا عہدہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

یہ ملک کا سب سے بڑا جج ہوتا ہے اس جج کو "قاضی القضاۃ" یا "چیف جسٹس" (Chief Justice) کہا جاتا ہے۔

مختلف صوبوں میں تعینات ہونے والے جج حضرات اسی عدالت کے جج یعنی "قاضی القضاۃ" کے تحت کام کرتے ہیں۔

عدالت عظمیٰ (High Court):

صوبائی عدالت کو عدالت عظمیٰ یا ہائی کورٹ کہا جاتا ہے۔

یہ صوبے کی سب سے بڑی عدالت ہوتی ہے۔ اس کے سب سے بڑے جج کو عدالت عظمیٰ (ہائی کورٹ) کا "قاضی القضاۃ" کہا جاتا ہے۔

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں اس طرح کی عدالتیں موجود تھیں مثلاً: ابو عبیدہ بن جراح بخران کی عدالت کے قاضی مقرر ہوئے اور سیدنا معاذ بن جبل، علی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں یمن کے قاضی مقرر ہوتے رہے۔

عہد فاروقی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے صوبے کے قاضی تھے۔ ابو موسیٰ اشعری بصرہ

کی عدالت کے قاضی تھے۔

عدالت مصر (Session Court):

ہر ضلع کی سطح پر بننے والی عدالت کو عدالت مصر یعنی سیشن کورٹ کہا جاتا ہے۔ شدید جرائم اور ان کی سزاؤں کے مقدمات سب سے پہلے اسی عدالت میں سنے جاتے ہیں۔ جدید دور کے نئے قوانین کے مطابق عدالت مصر کے بعد ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ میں دعویٰ دائر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ابتدائی عدالتوں کی اقسام:

ابتدائی عدالتوں کی بھی تین اقسام ہیں۔

- مصالحتی عدالت
- ثالثی تحکیمی عدالت
- ابتدائی عدالت حاکمہ

مصالحتی عدالت:

اس عدالت کا جج اس امر پر مامور ہوتا ہے کہ وہ مقدمہ کے فریقین میں صلح کروانے میں ناکام ہو جائے تو اصول مصالحت پر فیصلہ صادر کرے۔ اس عدالت کے فیصلوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات: 10)

”مومن تو بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔“

ثالثی تحکیمی عدالت:

اس عدالت میں فریقین کی مرضی کے مطابق ثالث مقرر کیا جاتا ہے۔ اور وہ ثالث فریقین کی طرف سے دعویٰ اور جواب دعویٰ سن کر فیصلہ کرتا ہے، اس عدالت کا طریقہ کار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہوتا ہے۔

﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (النساء: 35)

”ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔“

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ثالثی تحکیمی عدالت کے جج رہے تھے۔

ابتدائی عدالت حاکمہ:

کسی بھی دعویٰ کی قانونی سماعت کرنے والی پہلی عدالت کو ابتدائی عدالت حاکمہ کہا جاتا ہے۔ اس عدالت کے جج کو مجسٹریٹ کا نام دیا جاتا ہے۔

قاضی وجج کی شرائط

عہدہ قضاء ایک انتہائی اہم عہدہ ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے عہدہ قضاء کی اہلیت کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

- مسلمان ہو
- مرد ہو
- عاقل و بالغ ہو
- ذہین و فطین اور عقلمند ہو
- عادل ہو
- آزاد ہو
- لالچ سے نفرت کرنے والا ہو
- قوت سامعہ اور قوت باصرہ کے نقص سے خالی ہو
- اصول شرعیہ اور کتاب وسنت کے احکامات سے واقف ہو

قاضی کے تقرر کا طریقہ واختیار

اختیارِ تقرری:

اسلامی قانون میں قاضی کے تقرر کے اختیارات خلیفہ یا سربراہ مملکت کو حاصل ہیں۔ وہ خود قاضی کو مقرر کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعہ اس تقرر کو عمل میں لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے قضاۃ کے تقرر کے اختیارات گورنر مصر ”حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ“ کو سونپے تھے۔

ہارون الرشید کے دور میں قاضیوں کے نصب وعزل کے تمام اختیارات امام ابویوسف

کے ہاتھ میں تھے۔

طریقہ تقرری:

علامہ ماوردی فرماتے ہیں: تمام عہدوں کی طرح قضاۃ کے تقرر کے بھی دو طریقے ہو سکتے ہیں۔

* اگر نامزدگی بالمشافہ ہو رہی ہو تو نامزدگی زبانی الفاظ سے ہوگی۔
* اور غیر موجودگی میں خط و کتابت کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ نامزدگی میں یہ ضروری ہے کہ صدر مملکت قاضی سے دستور اور قانون کی وفاداری کا حلف لے اور اس میں قاضی کے اختیارات اور فرائض کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

ججوں کا تقرر ہر ملک اپنے حالات کے پیش نظر کرسکتا ہے لیکن جس کے ہاتھ میں جج کا تقرر ہو وہ میرٹ پر فیصلہ کرے کیونکہ ملک کا استحکام عدالتی انصاف میں ہی مضمر ہے۔ ❶

عدالت کی آزادی

خلافت راشدہ کے ادوار سے عدلیہ کی آزادی کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں، عدلیہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے آزاد ہوتی ہے، سربراہ مملکت کی طرف سے عدلیہ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ جب کوئی حاکم یا خلیفہ قاضی پر دباؤ ڈال کر زبردستی فیصلہ کروانا چاہے تو اس کا صرف یہی مطلب ہے کہ وہ ایک غلط فیصلہ کروانا چاہتا ہے۔

عدالت سربراہ مملکت کو بھی طلب کرسکتی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ حاکم وقت قاضی کے سامنے کٹہرے میں کھڑا ہوتا تھا۔ چنانچہ اگر سربراہ مملکت پر کوئی مقدمہ ہو تو عدالت اسے صرف طلب ہی نہیں کرسکتی بلکہ خلیفہ یا سربراہ مملکت کو بغیر کسی مزاحمت کے عدالت میں پیش بھی کرسکتی ہے۔ عدلیہ اس حد تک آزاد ہے کہ اگر وہ کوئی فیصلہ سنا دے تو حاکم وقت دوبارہ اس مقدمہ کی سماعت کے لیے نہیں کہہ سکتا۔

❶ اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ: 263۔

3 انتظامیہ

حکومت کا اہم ترین شعبہ انتظامیہ ہے، جس کی ذمہ داری مقننہ کی طرف سے بنائے گئے قوانین اور عدلیہ کی جانب سے صادر کیے گئے احکامات پر عمل کروانا ہوتا ہے۔ انتظامیہ کو "عاملہ" بھی کہتے ہیں جو اپنے معنی میں بہت وسعت رکھتا ہے۔ چنانچہ عاملہ سے مراد: "سربراہ مملکت، ملک کا بادشاہ، صوبوں کے گورنرز، تمام محکموں اور اداروں کے وزراء اور حکومتی مشنری میں کام کرنے والے تمام ملازمین ہوتے ہیں، جو حکومت کے تمام امور کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے ہیں۔ ان تمام لوگوں پر مشتمل ٹیم کو "عاملہ" یا "انتظامیہ" کہا جاتا ہے۔"

انتظامیہ کے شعبے

کسی بھی ملک کا سربراہ یا وزیر اعظم اکیلا تمام معاملات کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا، اس لیے وزیر اعظم کی سربراہی میں ایک ایسی جماعت تشکیل دی جاتی ہے جن میں سے ہر ایک کو کسی ایک شعبہ یا محکمہ کا وزیر بنا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اپنے محکمہ اور ادارے سے متعلق تمام امور پر نظر رکھتا ہے اور وزیر اعظم کو جواب دہ ہوتا ہے۔

انتظامیہ میں ہر ایک شعبہ کی وزارت بنائی جاتی ہے جن کی تعداد درجنوں تک محیط ہوتی ہے۔ بہر حال انتظامیہ کے اہم ترین شعبہ جات مندرجہ ذیل ہیں۔

* محکمہ تعلیم * محکمہ دفاع * محکمہ مالیات
* محکمہ ترقی و بہبود * محکمہ احتساب

① محکمہ تعلیم:

تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی کا آغاز ہی علم حاصل کرنے سے کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴾ (العلق: 1)

''اپنے رب کے نام سے پڑھیں جس نے پیدا کیا۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو امت کی تعلیم کے لیے مبعوث فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾ (آل عمران: 164)

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، جب اس نے ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا، انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (النساء: 113)

''اور اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔''

تعلیم سے نابلد معاشرہ آگے بڑھنے سے قاصر رہتا ہے، جبکہ پڑھی لکھی قوم دنیا میں ترقی حاصل کر لیتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ﴾ (الزمر: 9)

''کہہ دیجیے! کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔''

اس لیے کسی بھی حکومت میں محکمہ تعلیم کا وجود ضروری ہے؛ کیونکہ علم ہی ترقی کا زینہ ہے۔ قرآن وسنت کے علم کی بدولت اللہ تعالیٰ دنیا میں امارت وسلطنت عطا فرماتے ہیں اور حاملین کتاب وسنت ہی دنیا کی امامت کے حقدار ہیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ .))

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تعلیم وتربیت کے لیے حکومتی درسگاہیں بنائے

جہاں پر سستی اور معیاری تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔

② محکمہ دفاع:

کوئی بھی قوم تبھی قائم رہ سکتی ہے جب وہ اپنا دفاع کرنا جانتی ہو اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم اپنے دفاع سے غافل ہوئی وہ غلامی اور محکومی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ اس لیے ہر حکومت میں دفاع کا محکمہ ضروری ہے، جس کا کام ایسی فوج تیار کرنا ہے جو ملک کے دفاع سے باخبر ہو۔ یہ محکمہ سرحدوں کی حفاظت اور حالات کی سنگینیوں کا جائزہ لیتا ہے اور بوقت ضرورت اپنی مجاہد فوج کو مقابلہ کے لیے تیار رکھتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ﴾ (الانفال: 60)

''اور ان کے مقابلے کے لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو جتنی کر سکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے۔''

موجودہ دور میں سمندری، زمینی اور فضائی سرحدوں کی حفاظت ضروری ہے۔ اس لیے محکمہ دفاع میں تین قسم کی فوج کو تیار رکھا جائے۔

* بری * بحری * فضائی

③ محکمہ فلاح و بہبود:

اس محکمہ میں عوام کی ترقی، بہبود اور اسے دی جانے والی تمام تر سہولتیں اور رفاہِ عامہ کے لیے کام کرنے والا ہر ایک شعبہ اور محکمہ شامل ہوتا ہے۔ پلوں، سڑکوں اور نہروں کی تعمیر، اسی طرح پانی، بجلی، سیوریج اور اس طرح کی دیگر عوامی اور فلاحی سہولیات دینا اسی محکمہ کی ذمہ داری ہے۔

④ محکمہ احتساب:

اس سے مراد وہ نگران عملہ ہے جو تمام تر محکمہ جات کی مانیٹرنگ کرتا ہے۔ حکام، عمال،

گورنر اور اسی طرح تمام وزارء کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے سب کے متعلقہ محکمہ جات میں آمدن اور خرچ کی تفصیلات اکٹھا کرنا محکمہ احتساب کی ذمہ داری ہے۔"

اس محکمہ میں صرف انہی افراد کو بھرتی کیا جائے جو متقی، پاکدامن اور قابل اعتماد ہوں؛ تاکہ ان کے احتساب کے ڈر سے ہر محکمہ اپنا اپنا کام صحیح طریقے سے سرانجام دیتا رہے۔

⑤ محکمہ مالیات:

کسی بھی ملک یا حکومت کا نظام چلانے کے لیے سب سے ضروری چیز مال ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بیت المال کا نظام رائج کیا اور خلفائے راشدین بھی اپنے عہد میں بیت المال کے ذریعہ ہی امور خلافت چلاتے رہے۔

محکمہ مالیات یا وزارت خزانہ بیت المال کی جدید شکل ہے۔ اس محکمہ میں آمدن و خرچ کی تفصیلات اور حساب و کتاب رکھا جاتا ہے نیز مالیات یا محکمہ خزانہ کا انتظام و انصرام کسی ایمان دار شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تاکہ کرپشن اور خرد بُرد سے محفوظ رہے۔

سوالات

1- حکومت کے تین اہم اجزاء (مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ) پر روشنی ڈالتے ہوئے مقننہ کا مفہوم اور طریقہ تشکیل کا جائزہ لیں؟

2- مقننہ کے حقوق و فرائض بیان کرتے ہوئے قانون سازی کے طریقہ پر روشنی ڈالیں؟

3- عدلیہ کی تعریف کرتے ہوئے عدالت کی اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

4- ابتدائی عدالتوں کی اقسام بیان کریں نیز عدالت کی آزادی پر نوٹ لکھیں؟

5- قاضی و جج کی شرائط لکھیں نیز قاضی کے تقرر کے طریقہ و اختیارات پر روشنی ڈالیں؟

6- انتظامیہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اس کے اہم شعبوں (تعلیم، دفاع، مالیات، ترقی و بہبود اور احتساب) پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

باب 8

اسلام کی تبلیغ و اشاعت

- تعریف و مفہوم
- طریقۂ تبلیغ
- داعی و مبلغ کے اوصاف
- داعی و مبلغ کی ذمہ داریاں

تبلیغ واشاعت

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے بہت سے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور ان کی بعث کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانا، اس کے عذابوں سے ڈرانا اور جنت کی بشارت دینا تھا۔ چنانچہ آنے والے ہر نبی نے اس تبلیغ واشاعت کا کام کیا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچایا۔ ایک نبی کے چلے جانے کے بعد یہ ذمہ داری دوسرے نبی کو دی جاتی، بالآخر یہ سلسلہ خاتم النّبیین محمد ﷺ تک جا پہنچا، جو دنیا میں آنے والے سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے آنے پر نبوت کے دروازے کو بند کر دیا گیا۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آ سکتا، نبی لہٰذا اسلام کی تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری آپ ﷺ کی امت پر بالعموم اور علماء پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔

تعریف:

لغوی لحاظ سے ''تبلیغ''، بابِ تفعیل سے مصدر ہے جس کا لغوی معنی ہے ''بات یا پیغام پہنچا دینا'' اور ارشاد کا مطلب ہوتا ہے ''رہنمائی''۔

جبکہ اصطلاحی لحاظ سے ''اللہ اور اس کے رسول کے احکامات تمام امت تک پہنچانا اور لوگوں کی دینی رہنمائی کرنا ''تبلیغ وارشاد'' کہلاتا ہے۔''

اسلام کی تبلیغ واشاعت امتِ محمدیہ کا خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (آل عمران: 110)

''تم (امتِ محمدیہ) سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

نبی ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ واشاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً .)) ❶

''میری ایک بات بھی (تمہارے پاس) ہو تو اسے (لوگوں تک) پہنچاؤ۔''

نیز حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .)) ❷

''یہاں پر موجود شخص غیر موجود شخص تک (یہ احکام) پہنچا دے۔''

اس لحاظ سے امتِ اسلامیہ کا ہر فرد ہی مبلغ ہے۔ نبی ﷺ نے تبلیغ کرنے والوں کو یہ دعا دی:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ .)) ❸

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی، پھر اسے یاد کر کے دوسروں تک پہنچایا''

علماء کی ذمہ داری کچھ اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ .))

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

طریقہ تبلیغ

تبلیغ چونکہ انبیاء کا مشن تھا، اس لیے مبلغین کو اس مشن کی تکمیل کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو انبیاء نے اپنایا۔ قرآن وسنت کے مطالعہ سے حاصل ہونے والا تبلیغ کا

---

❶ الصحيح للبخاري، 3461۔

❷ مسند احمد، 38/ 473, حديث 23489۔

❸ جامع الترمذي، 2656.

طریقہ کار جو اہداف و مقاصد کو حاصل کرنے میں نافع ثابت ہو سکتا ہے۔ درج ذیل ہے۔

آغاز تبلیغ اپنے گھر سے:

قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے دعوت و تبلیغ کا آغاز اپنے گھر اور پھر اپنی قوم سے کیا۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو دعوت دی اور پھر اپنی قوم اور بادشاہ وقت کو۔ اس سلسلے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام: 74)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے بے شک میں تجھے اور تیرے قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد کریم ﷺ سے فرمایا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء: 214)

''اپنے سب قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی دعوت و تبلیغ کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کیا۔ اس لیے داعی و مبلغ پر ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت کا نقطہ آغاز اپنے گھر اور قوم کو بنائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: 6)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

احسن انداز میں تبلیغ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل: 125)

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیں

اور ان سے اس طریقہ کے ساتھ بحث کریں جو سب سے اچھا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دعوت کے اولین اصول بیان کیے ہیں۔ یعنی جسے دعوت دی جارہی ہے اس کی ذہنی استعداد و نفسیات کو سمجھ کر موقع و محل کے مطابق بات کی جائے۔ سب کو ایک ہی لاٹھی کے ساتھ نہ ہانکا جائے۔ تبلیغ میں ناصحانہ انداز اپنایا جائے، اگر دوسرے مذہب والوں کے ساتھ مناظرہ و مجادلہ کی ضرورت پیش آ جائے تو وہاں بھی بہتر انداز اپنایا جائے۔ شیخ محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں:

''یہ بحث و تمحیص (مجادلہ) وغیرہ نہایت نرمی، محبت و اخلاق اور تہذیب کے دائرہ میں رہتے ہوئے کی جائے۔ کسی کو جھڑک کر یا دل برداشتہ کرنے والی بات کر کے بحث نہ کی جائے۔''

نرم گفتگو:

انبیاء کی دعوت کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے مخاطبین کے ساتھ نرمی سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران: 159)

''پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ سخت گفتگو لوگوں کو قریب کرنے کی بجائے دور بھگانے کا سبب بنتی ہے۔ یہ بات مشاہدہ شدہ ہے کہ جب گفتگو کے لیے سخت طریقہ اختیار کیا جائے تو دوسرے لوگوں کے دلوں میں سخت نفرت اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ

يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ (طه: 44,43)

"دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے پس اس سے بات کرو نرم بات اس امید سے کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔"

تحمل مزاجی:

دعوت و تبلیغ کے لیے داعی اگر اپنے تند جذبات سے کام لے تو وہ کما حقہ اپنی دعوت کے اہداف حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر وہ مخاطبین کی طرف سے کوئی ناروا سلوک دیکھے تو جذباتی ہونے کی بجائے تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے طائف کے دعوتی سفر میں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ دعوتی سرگرمیوں میں تحمل مزاجی اپنانے میں نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ان کی قوم انہیں مذاق کرتی تھی، لیکن نوح علیہ السلام نے اس موقع پر تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی دعوت کو جاری رکھا۔

نفرت سے اجتناب:

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے یہ ہدایات جاری فرمائیں۔

((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا .)) ❶

اس لیے داعی و مبلغ کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے وقت نبی ﷺ کی اس حدیث کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے اور دعوت کے میدان میں اسی منہج کو اپنائے جسے اپنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوری دنیا میں اسلام پھیلایا تھا۔

تدریج و ترتیب:

مبلغ اپنی دعوت میں احکام کو بتدریج بیان کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کو بیک وقت بیان نہ کرے، بلکہ آہستہ آہستہ اہم اور ضروری چیزوں سے ابتداء کر

❶ متفق عليه ، بخاري: 3038، مسلم: 1733 .

کے ضروری شرائع کی دعوت دے۔ نیز جو چیز مخاطب مذہب کے لوگوں اور اسلام میں مشترک پائی جاتی ہو اس کی دعوت دے اور تمام مذاہب میں مشترک چیز عقیدہ توحید ہی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جب ہرقل کو خط لکھا تو آپ ﷺ نے اسے یہ دعوت دی:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

(آل عمران: 64)

"اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں اور ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب (معبود) نہ بنائیں۔"

اور دعوت کو بتدریج پیش کرنے کے لیے نبی ﷺ کا وہ فرمان ہی کافی ہے جو آپ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف داعی بنا کر بھیجتے وقت صادر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم اہل کتاب کی طرف جا رہے ہو انہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور میرے رسول ہونے کی گواہی کی دعوت دینا، اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو کہ مالداروں سے لے کر ان کے غرباء میں تقسیم کر دی جائے گی۔" ❶

داعی و مبلغ کے اوصاف

اسلام کی دعوت دینے والے شخص کے لیے مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

❶ متفق عليه ، بخاري: 1496، مسلم: 19 .

1 درست عقیدہ:

اسلام کی بنیاد توحید پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کی درستگی کو ہی نجات کا ذریعہ بتلایا ہے۔ اس لیے ایسا شخص کیا تبلیغ کرسکتا ہے جس کا اپنا عقیدہ ہی شرک پر مبنی ہو۔ جس داعی کا عقیدہ توحید پر نہیں ہوگا، اسکی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس چیز پر ایمان لانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ خود ہی اس چیز سے عاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے فرمایا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾ (البقرۃ: 285)

"رسول اور ایمان والے اس چیز پر ایمان لائے جو اس کی طرف نازل کیا گیا، ہر ایک، اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور رسول پر ایمان لایا۔"

2 بصیرت حق:

جس چیز کی طرف داعی دعوت دے رہا ہو اس بارے مکمل آگاہی رکھتا ہو، تاکہ مخاطبین کی طرف سے اٹھنے والے اعتراضات کا صحیح جواب دے سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ﴾ (یوسف: 108)

"کہہ دیجیے! یہ میرا راستہ ہے، جس طرف میں بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں۔"

3 قول و فعل میں مطابقت:

داعی و مبلغ جس چیز کی لوگوں کو دعوت دے رہا ہو اس چیز کا رنگ اس میں نظر آنا چاہیے۔ یعنی مکمل طور پر اس کے قول و فعل میں ہم آہنگی ہو۔ بنی اسرائیل کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے لوگوں کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا، نیز اللہ تعالیٰ نے قول و فعل میں تضاد کو اپنی ناراضگی کا سبب بتلایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصف: 3,2)

"اے ایمان والو! جو کرتے نہیں وہ کیوں کہتے ہیں۔ اللہ کے ہاں بہت بُری بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔"

4 لالچ سے پاک دعوت:

دین کی دعوت و تبلیغ میں انبیاء علیہم السلام کا بےلوث خدمت کا جذبہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے دعوت دینے میں کسی قسم کا لالچ نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ پیغمبروں کی دعوت کی کامیابی اسی بات میں مضمر تھی کہ وہ بےلوث طریقے سے دعوت دیا کرتے تھے اور تقریباً ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا۔ ﴿مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اس لیے داعیان و مبلغین، حق کی دعوت پیش کرنے میں کسی بھی قسم کے لالچ و کم ظرفی کا مظاہرہ نہ کریں۔

5 باوقار شخصیت:

داعی کی شخصیت کا باوقار ہونا دعوت کی کامیابی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے داعی و مبلغ کو کم ظرفی و ہلکے پن کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ایک باوقار شخصیت کا مالک ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝﴾ (الروم: 60)

"جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو ہلکا نہ پائیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اشارۃً یہ حکم دیا ہے کہ آپ نہ ماننے والے لوگوں یعنی اپنے مخاطبین کے سامنے ہلکے پن کا مظاہرہ نہ کریں، بلکہ باوقار طریقے سے رہیں۔

6 اخلاق حسنہ:

نبی ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو آپ اکیلے تھے یہاں تک کہ آپ کی جمعیت میں اضافہ ہونے لگا۔ کچھ ایسے لوگ بھی آتے جو آپ ﷺ سے شدید نفرت اور بغض رکھتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ان کی بد اخلاقی اور تند مزاجی کا خوش اخلاقی سے جواب دیا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (القلم: 4)

''اور آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔''

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ (البقرۃ: 83)

''اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔''

اس لیے دعوت کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ داعی و مبلغ خوش اخلاق ہوں کہ لوگ ان سے متنفر ہونے کی بجائے ان کے قریب آئیں۔

7 نصرت باری تعالیٰ پر یقین:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کے دین کی تبلیغ کے لیے نکلتا ہے، اسے نصرت الٰہی پر یقین ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت: 69)

''اور جو لوگ ہمارے (دین) میں کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنے رستے دکھاتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے دین کے لیے نکلنے والے لوگوں کی نصرت اور ثابت قدمی کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾ (محمد: 7)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

8 عاجزی وانکساری:

متکبر و متجبر آدمی دین کا داعی نہیں بن سکتا یا کیونکہ دین کی دعوت کے میدان میں بڑے اکھڑ مزاج لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے، جہاں پر عاجزی وانکساری والا شخص ہی کامیاب ہو سکتا ہے، اس لیے داعی و مبلغ کو چاہیے کہ وہ عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرے۔ ہر بڑے کو

احترام سے مخاطب کرے اور کسی کو حقیر نہ سمجھے۔

9 خوف الٰہی:

مبلغین کے دل میں صرف اللہ کا خوف ہونا چاہیے۔ اور اپنی دعوت پیش کرنے کے سلسلے میں کسی اور کا ڈر دل میں نہ بٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں مبلغین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ﴾

(الاحزاب: 39)

''وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ڈرتے۔''

10 موقع ومحل کی مناسبت:

داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت دینے کے لیے سب سے پہلے مناسب موقع ومحل تلاش کرے۔ ہر وقت دعوت دینے سے مخاطب کے اکتا جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْاَيَّامِ، كَرَاهَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا .)) ❶

''رسول اللہ ﷺ ہمیں وعظ کرنے کے لیے مناسب موقع تلاش کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔''

11 خلوص نیت:

تمام نیک اعمال کا میں نیت کا خالص ہونا ضروری ہے۔ دین اسلام کی دعوت وتبلیغ ایک عظیم عمل ہے۔ اس لیے یہ عمل اخلاص سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ داعی الی اللہ کو چاہیے کہ وہ دعوت دین سے پہلے اپنی نیت کو خالص کرے تاکہ اللہ کے ہاں یہ عمل قبول ہو سکے کیونکہ رسول

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم: 68.

اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ .)) ❶

''اعمال (قبولیت) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

داعی و مبلغ کی ذمہ داریاں

ایک داعی و مبلغ پر اپنی دعوت وتبلیغ کو پُراثر بنانے کے لیے درج ذیل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

❶ قرآن کو بطور حجت پیش کرنا:

اسلام کا سرچشمہ اور اصل الاصول قرآن مجید ہے۔ اس سرچشمہ سے ہی زندگی تروتازہ ہوتی ہے اور اسی اصل سے ہی اسلام کی تمام کونپلیں نکلتی ہیں۔ اس لیے مبلغین کو میدان دعوت میں قرآن کریم کو ہی اصول ٹھہرانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی تعلیم کی اشاعت کو ہی اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (ق: 45)

''جو شخص میری وعید سے ڈرتا ہے اسے قرآن کے ساتھ نصیحت کیجیے۔''

❷ سنت کی طرف رہنمائی کرنا:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث قرآن کی شرح اور وضاحت کرنے والی ہے۔ اس لیے مبلغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ سنت رسول کے احیاء کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرے، لوگوں کو صحیح سنت کا علم پہنچائے، کیونکہ حدیث بھی منزل من اللہ ہے۔

❸ افراط وتفریط سے اجتناب:

مبلغ کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کا مزاج امور دین میں اس قدر پختہ اور راسخ ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی پہلو سے افراط وتفریط کا شکار نہ ہو سکے۔ قرآن مجید میں افراط و تفریط کی لعنت سے بچنے کے لیے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ ''صراط

❶ صحیح بخاری، حدیث: 1.

مستقیم وہ راستہ ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہے'' پھر ساتھ ہی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ دیا، کیونکہ یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) افراط وتفریط کے راستے پر گامزن تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مبلغ و داعی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ غلو اور تنقیص کا راستہ نہ اپنائے، بلکہ اعتدال کے راستے پر چلتا رہے۔

❹ تفرقہ بازی سے اجتناب:

مبلغ و داعی کو ان تمام امور سے اجتناب کرنا چاہیے جن سے دین میں تفرقہ پڑتا ہو۔ مثلاً تفرقہ بازی، تکفیر اور اسی طرح کے دیگر خطرناک راستے اپنانا، جن پر چل کر دین اسلام کا شیرازہ بکھیر دیا گیا ہے اور اسلام کے رخ زیبا کو کفر کے فتووں سے داغدار کر دیا ہے۔ قرآن انتشار پسندی کا مخالف اور اتحاد واتفاق کا حامی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ (آل عمران: 103)

''اور اللہ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی میں نہ پڑو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ: 13)

''دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقے نہ بناؤ۔''

❺ مہذب انداز تبلیغ:

مبلغ غیر مذاہب کے لوگوں کو مہذبانہ طریقہ سے اسلام کی دعوت دے، تاکہ ان کے دل اسلام کی صداقت کے لیے کھل جائیں۔ بسا اوقات مبلغ کی سختی اور تیزی اسلام کے قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنے آخری رسول محمد کریم ﷺ کو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ اور مرقع بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (القلم: 4)

''بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔'' ❶

❶ ملخص از اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ 365، 336۔

سوالات

-1 تبلیغ وارشاد کا مفہوم واضح کرتے ہوئے طریقہ تبلیغ پر نوٹ لکھیں؟
-2 داعی ومبلغ کے اوصاف پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟
-3 داعی ومبلغ کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیں؟

باب 9

جہاد

- معنی ومفہوم
- اقسام جہاد
- اہمیت جہاد
- جہاد وقتال کا باہمی فرق
- اسلام میں جنگوں کی اخلاقی اقدار
- جنگ کے اصول وقواعد
- جہاد کی شرائط
- جہاد میں کامیابی کے اصول
- صلح اور اصلاح نفس کے اصول
- اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول

جہاد

لغوی معنی:

لفظ "جہاد" جھد (ج۔ھ۔د) سے مشتق ہے، جس کا مطلب ہے: "مشقت برداشت کرنا"
اس لفظ کے تلفظ اور معنی میں علمائے لغت کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک:
جَھـــد میں ج مفتوح ہے۔ ج مفتوح ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے "مشقت برداشت کرنا" جب کہ بعض کے نزدیک جُھد میں ج مضموم ہے۔ اگر ج مضموم ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے "وسعت و طاقت صرف کرنا"۔

اصطلاحی مفہوم:

لفظ جہاد دشمنوں سے مجاہدہ کرنے پر بولا جاتا ہے۔ یعنی ہاتھ، زبان، مال اور دل کے ساتھ دشمن کے سامنے اسلام کا دفاع کرنا "جہاد" کہلاتا ہے۔
علامہ راغب اصفہانی جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:
"اَلْجِھَادُ وَالْمُجَاھَدَۃ اِسْتِفْرَاغُ الْوَسْعِ فِیْ مُدَافَعَۃِ الْعَدُوِّ." [1]
"دشمن کے مقابلہ میں اپنی وسعت و کوشش اور اپنی طاقت کو صرف کرنا جہاد و مجاہدہ کہلاتا ہے۔"
جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:
"اَلْجِھَادُ شَرْعًا بَذْلُ الْجُھْدِ فِیْ قِتَالِ الْکُفَّارِ." [2]
"کفار سے لڑائی کرنے میں اپنی طاقت کو صرف کرنا "جہاد" کہلاتا ہے۔"

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، 208/1.
[2] فتح الباری، 3/6.

اقسامِ جہاد و مجاہدہ:

جہاد یا مجاہدہ تین قسم کا ہوتا ہے۔
❁ مجاہدۃ النفس ❁ مجاہدۃ الشیطان ❁ مجاہدۃ الکفار

مجاہدۃ النفس:

اس سے مراد امورِ دینیہ سیکھنے، سکھلانے کے لیے محنت اور اس پر عمل کرنا ہے۔

مجاہدۃ الشیطان:

شیطان کی طرف سے پیش کیے جانے والے شبہات اور خواہشات کی تزئین کا رد کرنا ہے۔

مجاہدۃ الکفار:

ہاتھ، مال، دل اور زبان سے کفار کے ساتھ جہاد کرنا اس میں شامل ہے۔
جہاد کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن میں اعلان فرماتے ہیں:
﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الصف: 11,10)
"اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے بچالے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے رستے میں جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔"
نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے والوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:
﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ (الصف: 4)
"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو سیسہ پلائی دیوار بن کر اس کی راہ میں لڑتے ہیں۔"

ملاحظہ:

جہاد کا لفظ صرف جنگ کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ لغوی لحاظ سے یہ لفظ کسی بھی لحاظ سے جنگ نہیں کہلا سکتا۔ جنگ کے لیے لفظ حرب وقتال استعمال ہوتا ہے اور استعارہ کے طور پر یہ لفظ جنگ یا غزوہ پر استعمال ہوتا ہے۔

مستشرقین لفظ جہاد کو جنگ کے معنی میں صرف اس لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ دنیا کو باور کرایا جاسکے کہ اسلام کی اشاعت بزورِ شمشیر ممکن ہوئی، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔

بہر حال اسلام کا دفاع کرنے کے لیے کفار کے ہاتھ کو روکنا، اسی طرح غیر مسلموں کی طرف سے اسلام کے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈوں کا علاج کرنا اصطلاحِ شریعت میں جہاد کہلاتا ہے اور یہاں جہاد سے یہی جہاد مراد ہے۔

جہاد وقتال کا باہمی فرق

غیر مسلم مفکرین نے جہاد کا معنی جنگ کیا ہے جو کہ عربی لغت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، لغوی لحاظ سے جہاد کا معنی ہے محنت ومشقت اور اپنی طاقت کو صرف کرنا۔

لیکن جہاد کو جنگ کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا؛ کیونکہ عربی زبان میں جنگ کے لیے لفظ حرب استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اور قتال میں فرق یہ ہے کہ:

جہاد:

جہاد اپنی زبان، ہاتھ اور مال کے ذریعہ دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کی جانے والی ہر ایک کوشش کو کہا جاتا ہے۔

قتال:

قتال کا معنی ہے لڑائی یا جنگ اور یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب دو فریق اپنا اپنا اسلحہ اور ہتھیار لے کر ایک دوسرے کے خلاف لڑائی کے لیے میدان میں اتر آئیں۔

کفار سے قتال کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں دی ہے کہ جب وہ

تمہارے ساتھ لڑائی کرنا چاہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ﴾ (البقرة: 190)

”تم اللہ کے رستے میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑتے ہیں۔“

نیز یہ قتال فتنہ کی سرکوبی کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ﴾ (البقرة: 193)

”ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاد دینِ اسلام کے لیے کی جانے والی ہر قسم کی کوشش کو کہا جاتا ہے جب کہ قتال اسلام کے خلاف کی جانے والی بغاوت کو کچلنے کے لیے ہوتا ہے۔

اسلام میں جنگوں کی اخلاقی اقدار

اگر ہم دنیا کی تاریخ پڑھیں تو بڑی بڑی مہذب قوموں کے بارے میں واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی جنگوں میں انسانیت ہی نہیں بلکہ انسانی اخلاقی اقدار کا بھی قتلِ عام کیا۔ بچوں کو ذبح کرنا، عورتوں کو قید کر کے ان کی عصمت دری کرنا اور مقتولین کے اعضاء کو کاٹ ڈالنا، فاتح اقوام کا مرغوب کام ہوتا تھا۔ ان کی تاریخ وحالات میں ظلم وسربریت اور غصب ونہب کے دلدوز واقعات نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ظلم وستم کی ایسی داستانیں رقم کیں جنہیں پڑھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے جب کہ اسلام ایک رحمت کا دین ہے۔ اس نے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو نرمی، رحم دلی، شفقت اور محبت کا درس دیا ہے۔

اسلامی جنگوں کی تاریخ پڑھی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جنگیں لوگوں کو محکوم یا ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں تھیں، بلکہ زمین پر بندوں کے خالق کا قانون نافذ کرنے کے لیے لڑی گئیں، یا پھر یہ جنگیں اپنے دفاع وحفاظت، مظلوموں کی حمایت اور مجبور ومقہور انسانیت کو ظلم واستبداد کے پنجہ سے آزاد کروانے کے لیے لڑی گئیں۔

اسلام تو میدان جنگ میں بھی قتل عام اور خوں ریزی کو پسند نہیں کرتا اور سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دیتا ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی اور باطل نظاموں کو چھوڑ کر اسلام کے پرچم کے سائے تلے آجاؤ، تمہارا خون، مال اور عزت ہر چیز محفوظ ہو جائے گی۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبر امن و انقلاب ﷺ کے دور میں لڑی جانے والی چھوٹی بڑی تمام جنگوں کی تعداد تقریباً اکیاسی (81) ہے جب کہ ان جنگوں میں غیر مسلم مقتولین کی کل تعداد آٹھ سو اکیاون (851) ہے۔

اور اگر ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں تو اپنے آپ کو مہذب ترین کہنے والے یہود و نصاریٰ نے دنیا کے جس خطے میں بھی جنگ کی، وہ سراسر دنیا پر اپنا تسلط جمانے کے لیے تھی اور دنیا کے مختلف خطوں مثلاً ہیروشیما، ناگاساکی پر ایٹمی حملے اور اسی طرح جنگ عظیم اول، جنگ عظیم دوم، چیچنیا، فلپائن، صومالیہ، عراق اور افغانستان میں انہی مہذب اقوام نے کروڑوں انسانوں کا قتل عام کیا۔

جبکہ اسلام نے جنگوں کے لیے جو اخلاقی اقدار مقرر کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

- جنگ اسی قوم سے کی جائے گی جو جنگ کے لیے مجبور کرے گی۔
- جو لوگ اسلامی حکومت سے امن و استحکام کے معاہدہ کو توڑ کر غیر مسلموں کا ساتھ دیں، ان سے بھی جنگ کی جائے گی۔
- جنگ کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے پھر جزیہ کا مطالبہ کیا جائے۔
- جو لوگ ہتھیار ڈال دیں ان سے جنگ نہ کی جائے۔
- جنگ میں کسی عورت، بچے یا انتہائی ضعیف آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔
- دشمنوں کی املاک کو نہ جلایا جائے۔
- مقتولین کا مثلہ نہ کیا جائے۔
- اگر مد مقابل مصالحت کرنا چاہے تو اس کے ساتھ مصالحت کر لی جائے۔

قواعد جنگ

اسلام کا مقصد زمین کو غیر مسلموں کے خون سے رنگنا نہیں، بلکہ پورے عالم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچم لہرانا ہے۔ اس لیے اسلام دشمن کو صرف تہہ تیغ کا حکم نہیں دیتا بلکہ حالات کے مطابق ان سے صلح کرنے یا انہیں قید کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر پانچ میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے قواعد بیان کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (التوبہ: 5)

''پھر جب یہ حرمت والے چار مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، انہیں پکڑو، ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو؛ کیونکہ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے پانچ قواعد بیان کیے ہیں۔

1 حرمت والے مہینوں میں ممانعت جنگ:

اللہ تعالیٰ نے آیت کی ابتداء میں فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جس میں یہ پیغام دیا ہے کہ مسلمان حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے میں پہل نہ کریں۔ جن کی تعظیم دور جاہلیت کے لوگ بھی کرتے تھے۔ اسلام میں اس کی تعظیم مزید پختہ ہوگئی۔

2 قتل مشرکین:

اہل ایمان اور اہل شرک کے درمیان جب جنگ چھڑ جائے تو جو مشرک جہاں بھی ملے

اسے قتل کیا جائے۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ ''مشرکوں کو جہاں پاؤ انہیں قتل کردو۔''

اور حق و باطل کی جنگ میں مسلمان یہ نہ دیکھیں کہ اس کے مدمقابل کون ہے، اگر چہ کفار کی طرف باپ یا بھائی ہی ہو۔ مسلمانوں کے دلوں میں صرف یہی بات ہونی چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمن ہیں اور اسلام کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ لہٰذا جنگ میں مدمقابل مشرک سے نرمی کا معاملہ نہ رکھا جائے۔

3 دشمن کی فوج کو یرغمال بنانا:

جنگ کا تیسرا قاعدہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ جب فوج، اس کا کوئی حصہ یا بٹالین مسلمانوں کے نرغے اور محاصرے میں آجائے تو وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ کے تحت انھیں یرغمال بنا کر قید کر لینا چاہیے۔

4 سرحدوں کی حفاظت کرنا:

چوتھا قاعدہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج﴾ یعنی دشمن کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے گھات لگائی جائے لہٰذا جنگی حالات میں انٹیلی جنس اداروں کو سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مامور کر دیا جائے تاکہ دشمن کی فوج کی پیش قدمی روکنے کے لیے قبل از وقت اقدامات کیے جاسکیں۔

5 قبول اسلام کے بعد جنگ کا خاتمہ:

آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ اگر دشمن اسلام قبول کرے تو جنگ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ فرمایا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

جہاد میں کامیابی کے اصول

جہاد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اصولوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

1 اطاعت امیر:

اسلام نے امیر کی طاعت پر زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج﴾ (النساء: 59)

''اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔''

امیر چونکہ اپنی جماعت اور فوج کو چلانے والا اور ان کی کمانڈ کرنے والا ہوتا ہے اس لیے جہاد میں ایسے شخص کو ہی امیر اور سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے جو جنگی چالوں اور بہادری و دلیری میں اچھا مقام رکھتا ہو۔ جنگ میں انتہائی نازک موقع پر اگر امیر کی بات نہ مانی جائے تو بہت بڑا نقصان بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ جنگ احد میں جبل رماۃ پر متعین تیراندازوں کی غلطی کے سبب مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا۔ ❶

امیر کی اطاعت کے حوالے سے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ .)) ❷

''بات سنو اور مانو اگر چہ تمہارے ایک حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح ہو۔''

جہاد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے یہ اصول اپنانا انتہائی ضروری ہے۔

2 اتفاق و اتحاد:

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کو نقصان تب ہی پہنچا جب ان میں اتفاق و اتحاد کی جگہ انتشار پید ہوا۔ تفرقہ ہر لحاظ سے ہی خطرناک چیز ہے، لیکن جہاد کے موقع پر اگر

❶ صحیح بخاری: 3039. ❷ صحیح بخاری: 7142.

مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے تو پھر خطرات مزید بڑھ جاتے ہیں اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ سکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اتفاق واتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے نا اتفاقی اور انتشار کے عواقب وخطرات سے آگاہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال: 46)

''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مجاہدین کی صفوں میں اگر نااتفاقی پیدا ہو جائے تو کامیابی کا حصول بہت مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

3 عاجزی وانکساری:

غرور اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اس لیے راہ جہاد میں نکلنے والے مجاہدین کو غرور وتکبر سے بچتے ہوئے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے نکلنا چاہیے۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کا پاس افرادی قوت بہت زیادہ تھی اور وہ اپنی اس طاقت پر اترا بھی رہے تھے، مگر میدان میں قدم اکھڑ گئے۔ یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہتے تھے کہ اپنی طاقت وجمعیت پر گھمنڈ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس جنگ کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾ (التوبہ: 25)

''اللہ تعالیٰ (اس سے پہلے) بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن (بھی تمہاری مدد کی تھی) تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا، مگر وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے دشمنوں کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ فخر غرور اور تکبر کے ساتھ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے انہیں لوگوں کے لیے عبرت بنایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا﴾ (الانفال: 47)

''ان لوگوں کی طرح نہ کرنا جو اتراتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔''

اگر فوج بہت زیادہ ہو پھر بھی اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت پر بھروسہ ہونا چاہیے۔

4 انفاق فی سبیل اللہ:

جہاد وسائل سے ہی ممکن ہے، جہاد فی سبیل اللہ میں کامیابی تب ہی ممکن ہے جب دشمن سے مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ دفاعی اسلحہ بھی موجود ہو اور ان وسائل کو پورا کرنے کے لیے مال کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو کہ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو لوگ جہاد کے لیے نہیں نکلتے انہیں چاہیے کہ مجاہدین کو سامان مہیا کریں۔ غزوہ تبوک میں مالی ضروریات زیادہ ہونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی تو صحابہ کرام نے اپنی اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔

5 ذکر اللہ:

جہاد میں نکلنے والے فوجیوں کو چاہیے کہ وہ ممکنہ کامیابیوں کے حصول کے لیے ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بنائیں۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا تھا کہ ذکر الٰہی کی مثال یہ ہے جیسے:

''کسی شخص کے پیچھے دشمن لگا ہو چنانچہ وہ مضبوط قلعہ میں چلا جائے تو اپنے آپ

کو محفوظ کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا جب ذکر کرتا ہے تو اپنے پیچھے لگے ہوئے شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔" [1]

6 صبر:

اللہ کی راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے میں ہی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۗ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (آل عمران: 200)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر صبر دکھاؤ اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔"

صلح

مستشرقین اور مغربی سکالرز دنیا والوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ اسلام خونریزی کا دین ہے جو کہ بذریعہ تلوار پھیلا جب کہ یہ محض پروپیگنڈہ ہے اور اہل مغرب کا ہتھیار ہے جو لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام جنگ کی بجائے صلح کو فوقیت دیتا ہے اگر دشمن جنگ چھوڑ کر صلح کا خواہاں ہو تو اسلام اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ صلح کر لیں۔ قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (الانفال: 61)

"اگر وہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔"

[1] جامع ترمذی: 2863، مسند احمد 404/28.

اصلاح نفس کے اصول

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دین کامل ہے۔ اسلام انسان کو ایک مثالی شخص بنانے کے لیے اسے تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور جذبات کی آگ میں نہ جلے، بلکہ نفس پرستی کو چھوڑ کر اپنی زندگی کے لیے ان اصولوں کا تعین کرے جو انسان کو بہترین اور مثالی مسلمان بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اسلام نے ان ذرائع اور اصولوں کو بیان کیا ہے جن کی بدولت انسان اپنے منہ زور نفس کو لگام دے سکتا ہے۔ شریعت کی رو سے نفس کی اصلاح کے لیے درج ذیل اصول انسانی زندگی میں انقلاب لا سکتے ہیں۔

1 معرفت الٰہی:

انسان کا خالق و مالک اللہ ہے، اس لیے سب سے اہم اور ضروری چیز یہ ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی پہچان کرے۔ جیسے جیسے انسان کو اللہ کی پہچان ہوگی وہ برائیوں سے دور ہٹتا چلا جائے گا۔ عام الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفس امارہ کی سرکش اور بے مہار سواری کو ذبح کرنے کے لیے سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔

2 دعا و مناجات:

دعا مسلمان کے لیے ایک بہترین ہتھیار ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو نافرمانیوں کی نجاستوں سے آلودہ کر بیٹھے، پھر اس کے دل میں اپنے نفس کی اصلاح کا خیال پیدا ہو تو اسے خلوص دل سے ہدایت کی دعا کرنی چاہیے اور اس کام کے لیے نماز میں سورۃ فاتحہ کو شروع کیا گیا ہے تاکہ نماز پڑھنے والا ہر نماز اور نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الفاتحة: 5)

اپنی اصلاح کے لیے جب بار بار دعا کرے گا تو وہ رحمٰن و رحیم مالک کبھی تو اس کی جھولی میں اصلاح کی خیر ڈال ہی دے گا۔

3 توبہ و استغفار:

ایک کافر کے لیے گناہوں کی زندگی سے پاک ہو کر نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے اسلام کی دولت رکھی گئی ہے۔ وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام میں آجائے تو اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے اور اگر کوئی انسان اپنی زندگی کے گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو کر پاکیزہ زندگی گزارنا چاہے تو اس کے لیے توبہ و استغفار کی دولت رکھی گئی ہے۔ توبہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کیے گئے گناہوں پر اظہار ندامت کرے، آئندہ اس گناہ سے پاک رہنے کا عزم اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے۔ ان شرائط کے تحت ہونے والی توبہ ہی توبۂ نصوح کہلاتی ہے۔ جس کا انعام اللہ تعالیٰ یہ دیتے ہیں کہ اس کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

4 استقامت:

انسان جب راہ راست پر آجائے اور اصلاح کے لیے دین اسلام کے قواعد وضوابط پر عمل کرنا شروع کر دے تو اسے مستقل مزاجی دکھانی چاہیے، اسی کو ہی استقامت کہتے ہیں یعنی نیکی پر ڈٹا رہے اور نیکی کی راہ میں آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝﴾

(حٰم السجدہ : 30)

”بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر (اس بات پر) ڈٹ گئے، ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) ڈرو نہیں، غم نہ کرو اور اس جنت کی بشارت پالو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

5 صحبتِ صدیقین:

یہ حقیقت ہے کہ انسان پر وہی اثر ہوتا ہے جو اس کے دوست اور ساتھی پر ہوتا ہے۔ اس

لیے اگر کوئی انسان اصلاح کرنا چاہتا ہو تو برے اور بے دین دوستوں کا ساتھ چھوڑ دے، جھوٹے دوستوں سے کنارہ کش ہو جائے، بری مجلسوں سے اجتناب کرے اور سچے اور راست باز لوگوں کے ساتھ اپنی نشست و برخاست کرے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝﴾ (التوبہ: 119)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بنو۔“

6 اکلِ حلال:

جو چیز انسان کے جسم کا جزو بنتی ہے اس کا انسان کے کردار و عمل پر اثر ہوتا ہے۔ حلال و پاکیزہ کھانا انسان میں اعلیٰ اخلاق اور اچھے کردار کی افزائش کا ذریعہ بنتا ہے، جب کہ حرام و ناجائز مال انسان سے انسانیت کی صفت نکال دیتا ہے۔ لہٰذا اپنی اصلاح کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ انسان حلال وطیب کھائے یعنی انسان جو کھا رہا ہو وہ فی نفسہٖ حلال ہو اور اسی طرح حلال کو کمانے کا ذریعہ بھی حلال ہو۔ حرام اشیاء انسان سے حیاء اور عزت کا خاتمہ کر دیتی ہیں اور انسان معاشرتی لحاظ سے اپنی عزت کھو دینے کے ساتھ ساتھ جسمانی لحاظ سے بھی بہت نقصان اٹھاتا ہے۔

اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول

اسلام یہ پابندی نہیں لگاتا کہ غیر ممالک سے تعلقات رکھے جائیں۔ خود نبی ﷺ نے دنیاوی معاملات میں غیر مسلموں سے تعلقات رکھے ہیں اور خیر القرون میں بھی غیر مسلم اقوام اور ممالک کے مسلمانوں سے تجارتی معاملات رہے ہیں۔ لیکن اسلام غیر مسلموں اور دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کی حدود متعین کرتا ہے، جنھیں موجودہ دور کی اصطلاح میں خارجہ پالیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے خارجہ پالیسی کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

* اسلامی مملکت و ریاست جب کسی غیر مسلم ملک سے کوئی کاروباری یا تجارتی سرمایہ کاری کا معاہدہ کرے تو اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے اس معاہدہ کی وجہ سے کسی دوسری اسلامی ریاست کو نقصان نہ پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: 10)

''مومن تو بھائی ہی ہیں۔''

* اسلامی ریاست اس بات کا خیال رکھے کہ غیر مسلم ممالک سے تعلقات صرف کاروباری حد تک ہوں۔ عقائد و نظریات کے کسی معاملہ میں بھی لچک کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور نہ ہی ان سے دلی دوستی قائم کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج﴾ (آل عمران: 28)

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔''

* اسلامی ریاست اپنی خارجہ پالیسی میں ایک اصول یہ بھی رکھے کہ دیگر ممالک کے ساتھ امن و صلح کے معاہدے کیے جائیں، کیونکہ اسلام امن اور صلح کا پیغام دینے والا دین ہے۔ غیر مسلموں سے قومی اور نسلی امتیاز نہ رکھا جائے بلکہ یہ صلح اسلام کے عالمگیر پیغام ﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (الانفال: 61) کے تحت ہونی چاہیے۔

* اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی نسل انسانی کے لیے وحدت کا پیغام دینے والی ہو، لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرے اور عالمی برادری کو اسی طرح متحد کر کے اپنا پیغام وحدت دے جس طرح سے آغاز میں لوگ ایک تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (یونس: 19)

''اور لوگ ایک ہی امت تھے۔''

* اسلامی ریاست غیر مسلم اقوام سے جو وعدہ کرے اسے ہر صورت پورا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ (النحل: 91)

''اور اللہ کا عہد پورا جب آپس میں عہد کرو۔''

* اسلام خارجہ پالیسی کے لیے یہ اصول بھی وضع کرتا ہے کہ عالمی برادری کے ساتھ معاملات عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق طے کیے جائیں اور ذاتی دشمنی عدل و انصاف کے آگے رکاوٹ نہ بنے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز﴾ (المائدۃ: 8)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو؛ اللہ تعالیٰ کی خاطر خوب قائم رہنے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

* خارجہ پالیسی کے اصولوں میں یہ شق رکھی جائے کہ جو ملک یا قوم دنیا کا امن برباد کرنے کی کوشش کرے، تو ایسے ملک کے خلاف دنیا کی تمام طاقتیں اعلان جنگ کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾ (البقرۃ: 190)

''اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔''

* اگر کوئی ملک عالمی قانون (سفیروں کو قتل نہ کرنے) کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف جنگ کی جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ غزوہ موتہ اسی لیے پیش آیا تھا کہ شام کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ [1]

* اسلام کی خارجہ پالیسی میں یہ اصول بھی مرتب ہونا چاہیے کہ جس جگہ مسلمان ظلم و

[1] فتح الباری: 511/7.

استبداد اور سربریت کا شکار ہوں تو ان کی مدد کے لیے علم جہاد بلند کیا جائے؛ کیونکہ اسلام انسانیت کی تذلیل وتوہین نہیں چاہتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ (النساء: 75)

''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنادے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار بنا۔''

* اسلام کی خارجہ پالیسی میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ اپنے مذہب، خودمختاری اور سرحدوں کی سالمیت کے خلاف کسی بھی قسم کا قانون قبول نہ کریں اور اپنی داخلی اور خارجی سرحدوں کی خود حفاظت اور نگرانی کریں، نیز کسی بھی دوسرے ملک کو اپنی جغرافیائی، مذہبی اور ثقافتی سرحدوں میں گھسنے کی کوشش نہ کرنے دیں۔

سوالات

1- جہاد کا معنی ومفہوم بیان کرتے ہوئے جہاد کی مختلف اقسام تحریر کریں؟
2- جہاد کی اہمیت پر نوٹ لکھیں نیز جہاد وقتال کا باہمی فرق واضح کریں؟
3- اسلام میں جنگوں کی اخلاقی اقدار پر نوٹ لکھیں؟
4- اسلام میں جنگوں کے کیا اصول وقواعد ہیں؟ احاطہ تحریر میں لائیں؟
5- جہاد میں کامیابی کے اصولوں پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟
6- صلح سے کیا مراد ہے نیز اسلام میں اصلاح نفس کے کیا اصول متعین ہیں تحریر کریں؟
7- اسلام کی خارجی پالیسی کے اصول تفصیل سے بیان کریں؟

باب 10

بین الاقوامی تنظیمیں

* بین الاقوامی تنظیموں کی نشوونما کا تصور
* جمعیت اقوام کا تعارف اور اس کی ناکامی کے اسباب
* اقوام متحدہ کی ضرورت اور قیام
* اقوام متحدہ کا تنظیمی ڈھانچہ
* اسلام میں عالمگیری برادری کا تصور

بین الاقوامی تنظیمیں

دنیا میں یوں تو سینکڑوں قومیں آباد ہیں، لیکن ان میں تین ایسی ہیں جن کے مزاج میں ایک مخصوص بات پائی جاتی ہے۔ اس مخصوص بات سے مراد کسی قوم کی وہ خصوصیت ہے جس کی بنیاد خالصتاً خون، ہڈی اور نسل پر ہے جس کا رخ اپنے اندرون کی طرف ہوتا ہے اور ہر معاملے میں وہ قوم نسلی اور خونی اعتبار سے دیگر قوموں سے خود کو ممتاز سمجھتی ہے۔

دنیا کی قابل ذکر تین انسولر قومیں یہود، ہنود اور زرتشتی ہیں زرتشت قوم اپنی تعداد کی قلت کی وجہ سے تقریباً اب غیر موثر ہے، اس اعتبار سے دنیا میں دو قومیں ہی (یہود اور ہنود) ہیں جو اپنی نسلی تفوق کی بناء پر قائم ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے امن کو تباہ کرنے والی یہی دو قومیں ہیں۔ بین الاقوامی تنظیموں اور ایجنسیوں کی تاریخ اگر دیکھی جائے تو ان کی کڑیاں بھی انہی دو قوموں سے جا کر ملتی ہیں۔ اسلام کے خلاف سازش کرنے والی کوئی بھی تنظیم ایسی نہیں ہے کہ جس کا تعلق یہود سے نہ ہو۔ دنیا کے نقشے پر موجودہ دور کی بین الاقوامی تنظیمیں عموماً ایسی ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہیں۔

بین الاقوامی تنظیموں کی نشو ونما کا تصور

20ویں صدی کے آخری عشرے میں عالمی نقشے پر بہت سی سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سرد جنگ کے خاتمے اور سویت یونین (USSR) کے انہدام نے دنیا کو دو بلاکوں سے ایک بلاک میں تبدیل کر دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکرین، محققین اور تھنک ٹینکس نے یہ خیال عام کرنا شروع کر دیا کہ اب تاریخ مغرب مرتب کرے گا اور قیادت میں عمل دخل بھی مغرب کو حاصل ہوگا۔

سموئیل ہنگٹن نے مثلثی طاقت کو متعارف کروایا تو فرانس نے فوکو یاما نے The end of history میں مغرب کو طاقت کا سربراہ مانا۔ قوموں کی نئی صف بندی ہوئی۔ اس نئی صف

بندی میں اقوام متحدہ کی اقتصادی امداد کی عالمی تنظیمیں، یعنی بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بینک اور ان کے ساتھ ساتھ امریکی اشاروں پر نئی اصطلاح میں بہت سی غیر حکومتی بین الاقوامی تنظیمیں یعنی این۔ جی۔ اوز (N.G.O'S) قائم ہوئیں۔

چند بین الاقوامی تنظیمیں:

دنیا میں کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیموں کا احاطہ کرنا تو ناممکن ہے۔ بہر حال فکری، سیاسی، انتظامی، معاشی، ثقافتی اور مذہبی لحاظ سے کام کرنے والی چند تنظیموں کا نام درج ذیل ہیں۔

- اقوام متحدہ یا U.N.O (United Nations Organisation)
- انٹرنیشنل سٹاک ایکسچینج (International Stock Exchange)
- انٹرنیشنل ریڈ کراس (International Redcross)
- انٹرنیشنل اولمپک کمیٹی (International Olympic Commitee)
- انٹرنیشنل کمیونسٹ کانگریس (International Commonist Congress)
- نیوز ایونسٹ آرگنائزیشن (New Zionist Organization)
- انٹرنیشنل فری میسنری (International Preemasonary)
- ایمنسٹی انٹرنیشنل (Amnesty International)
- ویمنز زایونسٹ آرگنائزیشن (Women's Zionist Organization)
- آکس فیم (OXFAM)

مذکورہ بالا تنظیمیں دنیا کے ہر ملک میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ تنظیمیں ایسی بھی ہیں جن کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شاخیں اور حلقے قائم ہیں۔ ان میں سے اقوام متحدہ وہ ادارہ ہے جو براہ راست پوری دنیا پر اثر انداز ہوتا ہے۔

جمعیت اقوام (League of Nations)

مشہور آسٹریلوی ماہر سیاسیات ڈی ڈبلیو گریگ D.W grag کے نزدیک: ''یورپی

جاگیرداری نظام کے بعد جب قومی سطح پر طاقت کے تصور نے زور پکڑا تو بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت پیش آئی۔

نپولین کی جنگوں کے بعد سب سے پہلا قاعدہ جو باقاعدہ تشکیل دیا گیا وہ میثاق ویانا تھا جو 1815ء میں ہوا۔ یہاں سے جمعیت اقوام کی ابتداء ہوئی۔ جمعیت اقوام (Leag of nation) کا مقصد تمام ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا اور جنگ بندی جیسے معاہدات کرنا تھا۔ اس جمعیت کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہود کا اثر و رسوخ زیادہ تھا اور یہودی براہ راست اس پر اثر انداز ہوتے تھے۔ کمزور اور ترقی پذیر ممالک اس جمعیت میں کمزور سمجھے جاتے ہیں۔

اس کی ناکامی کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ جس مقصد کے لیے اس جمعیت کا قیام عمل میں لایا گیا وہ مقاصد بالکل حاصل نہ ہو سکے۔ دنیا میں جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اس سلسلے میں جنگ عظیم اول اور دوم میں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔

اقوام متحدہ کی ضرورت اور قیام

اقوام متحدہ کا قیام جمعیت اقوام کی ناکامی کے بعد عمل میں لایا گیا۔ اقوام متحدہ دوسری جنگ عظیم کے بعد 24 اکتوبر 1945ء میں قائم ہوئی۔ جس کا سب سے بڑا مقصد بین الاقوامی قانون (International law commession) کا قیام تھا۔

اس ادارے کا نام امریکا کے صدر ''روز ویلٹ'' نے تجویز کیا تھا اور اس ادارے کے سربراہ کو ''سیکرٹری جنرل'' کہا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے قیام کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

* اقوام متحدہ میں شامل تمام ممالک کے سیاسی، سرحدی اور اقتصادی تنازعات کو حل کرنے کے لیے قوانین بنانا۔
* کسی بھی ملک کے خلاف ہونے والی جارحیت کو ختم کرنا۔

* آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا۔
* انسان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا۔
* انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات اٹھانا۔
* قوموں کی آزادی اور خودمختاری کا احترام کرنا۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ جمعیت اقوام کی طرح اقوام متحدہ بھی اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالی اور انسانیت کا قتل اقوام متحدہ کا بالکل نظر نہیں آ رہا۔ شاید اس کی یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ امریکہ کی لونڈی ہے۔

اقوام متحدہ کا تنظیمی ڈھانچہ

اقوام متحدہ کا مرکزی دفتر نیویارک میں ہے۔ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی تعداد تقریباً 200 ہے۔ اقوام متحدہ کے 6 بڑے اور پندرہ 15 ذیلی ادارے ہیں، جو کسی نہ کسی طرح پوری دنیا میں کام کر رہے ہیں جن میں سے قابل ذکر اور اہم ادارے درج ذیل ہیں۔

* جنرل اسمبلی
* سلامتی کونسل
* عالمی عدالت
* عالمی بینک
* عالمی مالیاتی فنڈ

جنرل اسمبلی:

جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کا سب سے اہم ادارہ ہے، جس کے بہت سے ممالک رکن ہوتے ہیں۔ اہم مسائل پر بات کرنے کے لیے جنرل اسمبلی کے رکن ممالک کو اکٹھا کیا جاتا ہے جس میں ہر ملک اپنا اپنا منشور اور مسائل پیش کرتا ہے۔

سلامتی کونسل:

جنرل اسمبلی کے بعد اقوام متحدہ کا دوسرا بڑا ادارہ سلامتی کونسل ہے۔ سلامتی کونسل میں پانچ مستقل اور دس عارضی ممبرز ہوتے ہیں۔ مستقل ممبرز میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس،

اور چین شامل ہیں، جبکہ عارضی دس ممبرز دنیا کے پانچ براعظموں میں سے دو سال کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔

عالمی عدالت:

یہ اقوام متحدہ کا اعلیٰ عدالتی ادارہ ہے۔ اس کا صدر مقام "نیدرلینڈ" کے شہر "ہیگ" میں ہے۔ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے پندرہ جج، ریاستوں کے درمیان جھگڑوں کو ختم کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک خود بخود عالمی عدالت انصاف کے رکن بن جاتے ہیں۔

عالمی بینک:

اقوام متحدہ کا ایک بہت اہم ادارہ جو دنیا کے مالی مسائل حل کرنے کے لیے قائم کیا گیا اسے World Bank "عالمی بینک" کہا جاتا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ یہ بینک مکمل طور پر امریکی مفادات کے مطابق کام کرتا ہے۔

عالمی مالیاتی فنڈ:

اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی ضروریات کو مانیٹر کرتے ہوئے فنڈز مہیا کرنا (IMF) یعنی عالمی مالیاتی فنڈ کی ذمہ داری ہے۔ یہ ادارہ قرض کی صورت میں فنڈ مہیا کرتا ہے اور اس فنڈ کے عوض اس ملک کے لیے اپنی مرضی کی پالیسیاں مرتب کرتا ہے۔

اسلام میں عالمگیر برادری کا تصور

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور اس کا پیغام بھی ایک عالمی پیغام ہے۔ اس مناسبت سے اسلام میں بین الاقوامی تعلقات پر مشتمل ہدایات، قواعد وضوابط اور صدیوں کے تجربات پر مشتمل ایک اچھا اور قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ یوں تو اسلام کے نظام میں عالمگیر برادری کے تصورات کے پیش نظر بین الاقوامی تعلقات کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس نے انسانوں کے درمیان پریشان کن نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ امتیازات کی حتی الامکان حوصلہ شکنی کی، مگر جہاں

فطرت کسی ایسے فرق کی متقاضی تھی، جو انسانیت کی معراج کا نشان اور امتیاز بننے کی صلاحیت رکھتا تھا وہاں اسلام نے اس فرق کو باقی رکھتے ہوئے اعلان فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

(الحجرات: 13)

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا؛ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔"

جدید دنیا میں عالمگیر برادری کی بنیاد کا تعلق اور اس کے قواعد وضوابط کی تشکیل کچھ ہی عرصہ پہلے ہوئی، مگر قرآن مجید نے جگہ جگہ يَاَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے آج سے تقریباً پندرہ صدیاں پہلے ہی اس کی بنیاد رکھ دی تھی۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے ساتھ ہی اسلام کے بین الاقوامی تعلقات کے خدوخال واضح ہوتے ہیں، مگر یہ بات وہاں بھی پیش نظر رہی کہ عقائد ونظریات پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا اور اس لحاظ سے مسلمانوں اور کافروں میں ایک امتیازی فرق ہے۔

مگر اس فرق کا مطلب ظلم و ناانصافی، دھوکہ اور فریب ہرگز نہ تھا۔ قرآن میں واضح مثالیں ملتی ہیں کہ یہ تقسیم رنگ ونسل یا رسم ورواج کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت کو اپنانے یا نہ اپنانے کی بنیاد پر کی گئی۔ اسلام کے مقابلہ میں چونکہ متعدد افکار ونظریات، عقائد اور دینی نظام دنیا میں رائج تھے۔ اس لیے کمال حکمت کے تحت ان اقوام عالم کے ساتھ تعلقات کے تفصیلی اصول وضوابط مقرر کیے گئے۔ ان اصول وضوابط میں بھی بین الاقوامی تعلقات کی وضاحت موجود ہے۔

پوری دنیا کے انسانوں میں تعلقات کی اصل بنیاد حالت امن ہے۔ مگر اختلاف، کشمکش

اور جنگ کی صورت میں ان کے روابط میں کشیدگی اور عداوت کو کم سے کم کرنے اور حالتِ امن کو بحال کرنے کے لیے ضروری اصول وضوابط متعارف کرائے۔ چنانچہ اسلام میں حالت امن اور حالت جنگ دونوں حالتوں میں بین الاقوامی تعلقات کے الگ الگ اصول موجود ہیں، جو صدیوں تک عملی تجربہ سے گزر کر اپنی کامیابی اور انسان پروری کا سکہ منوا چکے ہیں۔ البتہ آج کے قانون بین الممالک میں دائرہ کار یا دائرہ اختیار کی بحث بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام نے اسے اپنے پر امن مزاج کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں دارالسلام، دارالحرب، دارلکفر، دارالصلح اور دارالعہد وغیرہ کی اصطلاحات جا بجا ملتی ہیں۔

اسلام کا عالمگیر برادری کا تصور زبانی جمع خرچ کی بجائے ٹھوس حقائق، صدیوں کے تجربات اور عمل پر رہا ہے۔ اس موضوع پر ایک وسیع اور ضخیم لٹریچر اس کا دستاویزی سرمایہ ہے۔ میثاق مدینہ لفظ بالفظ کتب تاریخ وسیر کی زینت ہے، جسے دور حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے انگریزی کے عنوان "The first written constitution in the world" کے تحت بڑی علمی تحقیق کے بعد شائع کروایا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی تاریخ کے معروف فقہاء وعلماء نے اسلام کے بین الاقوامی تعلقات یا اسلام عالمگیری برادری کے تصور پر بہت کچھ لکھا ہے، اسی عنوان سے اسلامی کتب خانے اور بازار کتب بھرے پڑے ہیں۔

سوالات

1- بین الاقوامی تنظیموں کی نشوونما کے تصور پر نوٹ لکھیں۔
2- 10 بین الاقوامی تنظیموں کے نام لکھیں۔
3- جمعیت اقوام اور اس کی ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالیں۔
4- اقوام متحدہ کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی، وجوہات تحریر کریں۔
5- اقوام متحدہ کا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہے؟
6- اسلام میں عالمگیر برادری کا کیا تصور پایا جاتا ہے؟

باب 11

جدید سیاسی نظریات

- دور حاضر کا عمرانی پس منظر
- جدید سیاسی نظریات
- جمہوریت (اقسام، مفروضات، خوبیاں وخامیاں)
- اسلام میں جمہوریت کا تصور
- قوم اور قومیت کی تشریح
- قومیت کے عناصر ترکیبی
- قومیت کے فوائد ونقصانات
- امت کا تصور اور نیشنلزم
- تحریک قومیت کی تاریخ
- امت اسلامیہ اور اس کے اوصاف
- مارکسزم، کمیونزم، کیپٹلزم اور سوشلزم (ہر ایک نظام کا تعارف، خوبیاں اور خامیاں)

دور حاضر کا عمرانی پس منظر

آج اپنے تمدن پر فخر کرنے والے یورپ کے ہاتھ لاکھوں انسانوں کے خون سے رنگین ہیں۔ چنگیز خان اور بخت نصر نے بہت سے لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے، نپولین نے سارے نظام امن کو تہہ و بالا کیا اور اس کی فتوحات کا سیلاب سارے یورپ پر چھا گیا، لیکن یورپ کی طاغوتی حکومتوں نے جو طوفان برپا کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

دوسری جنگ عظیم میں انہوں نے جدید آلات سے شہروں کے شہر چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے۔ محاذ جنگ سے دور آبادیاں بھی ان کے اجل بار طیاروں سے محفوظ نہ رہ سکیں، پھر زمانہ قریب میں امریکہ نے افغانستان اور عراق پر بمبار طیاروں اور دیگر جنگی ہتھیاروں سے جو تباہی مچائی اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اپنے کردار و عمل سے یورپ یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ انسانیت کو خاک و خون میں تڑپا کر ایک نیا عالمی نظام جنم لے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کے بعد کا زمانہ صحیح اور سلیم روح کی بیداری کا زمانہ ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے ظالم و سرکش اور جابر حکمران اپنے ظلم و جور سے لوگوں کو اپنا ذہنی غلام نہ بنا سکے، بلکہ اس کے برعکس خود ان کی حکومتیں تباہی و بربادی سے دو چار ہوئیں۔

آج یورپ کے دار التجارب، ان کے سائنسدان، یونیورسٹیاں اور دیگر علمی ادارے شبانہ روز صرف ایک ہی مقصد کے لیے وقف ہیں کہ کس طرح وہ انسانی بستیوں کو جبراً و قہراً غلام بنا کر اپنی تجارت، سیاست اور ہوس ملک گیری کو فروغ دے سکتے ہیں۔

آج تہذیب مغرب اس لیے دم توڑ رہی ہے کہ اس کے علمبرداروں نے قدرت کے

خلاف بغاوت کی اور اس کی چمن بندی میں خلل ڈالا۔ اس تہذیب کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہے کہ اس نے روح و بدن میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ ان دونوں کی متوازی نشو و نما سے یہ بڑھتی اور طاقتور ہوتی ہے۔ ایسی کوئی بھی فکر یا فلسفہ کامیاب نہیں ہوسکتا جو ان دونوں میں سے ایک کو ابھارے اور دوسرے کو کچل دے۔

عیسائیت اور ہندومت نے بھی یہی غلطی کی کہ اس نے رہبانیت کے تیشے سے جسم کو گھائل کیا، تاکہ روح بیدار ہو مگر اس غیر طبعی تعلیم کا وہی نتیجہ ہوا جو ہوا کرتا ہے۔ تقشف کی جاں سوزیوں کے ساتھ روح کی شمع بھی گھائل (گل) ہو کر رہ گئی اور اہل کلیسا میں مزاج خانقاہی پیدا ہو گیا۔ جبکہ ہندوؤں کے سادھوؤں نے جنگل کی راہ اختیار کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود ساختہ مذہب مجروح ہو کر رہ گیا۔

اس کے برعکس یورپ کے ائمہ مادیت نے روح سے انکار کیا اور عالم رنگ و بو ہی کو اپنا منتہائے نظر قرار دیا، انہوں نے جسم کی پرورش کی اور روح کو کچل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعلیمات کے پیروکار ہوس ناک اور جفا کار ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مذہب مٹ جائے تو فرعونی ملوکیت، ہامانی سیاست اور قارونی معیشت انسان پر مسلط ہو جاتی ہے۔

انسان کبھی بھی اپنی حیات کا خود کفیل نہیں ہوسکتا۔ اس کی فکرِ کج پرواز اسے ہلاکت کی وادیوں میں لے جاتی ہے۔ جب بھی وہ کاشانہ حیات مادیت سے روشن کرتا ہے تو اس پر ظلمت ہی ظلمت چھا جاتی ہے، کیونکہ اس آسمان و زمین کا حقیقی نور اللہ ہی ہے اور مذہب اس نور کا حامل ہے۔ اسی مذہب کی عالمگیر تعلیم کے روغن سے انسانی زندگی کی قندیل روشن ہوتی ہے اور مادی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں اور جب روحانی شمع گل ہو جاتی ہے تو عالم انسانی کفر و عصیاں کے بھنور میں گھر کر تباہی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ❶

❶ ملخص از اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ 377 تا 379۔

جدید سیاسی نظریات

19 انیسویں صدی اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں بہت سے سیاسی نظریات کی داغ بیل پڑی، جنھوں نے مذہبی لحاظ سے لوگوں کو بہت کمزور کیا اور لوگ الحاد و زندیقیت کی طرف چلے گئے۔ اس صدی میں جن سیاسی نظریات و افکار کو دنیا میں رائج کیا گیا ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

① جمہوریت
② قومیت
③ مارکسزم
④ کمیونزم
⑤ کیپٹلزم
⑥ سوشلزم

آئندہ صفحات میں ہم ان جدید نظریات کا جائزہ لیں گے اور ان نظریات کی خوبیاں اور خامیاں بھی قارئین کے سامنے رکھیں گے۔

① جمہوریت

موجودہ دور میں جمہوریت کو بہترین طرز حکمرانی کہا جاتا ہے۔ جدید مفکرین کے نزدیک یہی وہ طرز حکومت ہے جو لوگوں کے لیے امن وسلامتی اور فلاح و بہبود کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اب تو بات یہاں تک جا پہنچی ہے کہ جمہوریت کے مخالف کو امن وسلامتی کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جمہوریت کے بارے بہت سے دانشوروں نے اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا ہے اور اس کی بہت سے تعریفیں کی گئی ہیں۔

ارسطو، ڈائسی، سیلی، ابراہم لنکن اور گیٹل کی بیان کردہ تعریف جمہوریت کا خلاصہ یہ ہے:

''جمہوریت ایسی حکومت کا نام ہے جو عوام کی منتخب کردہ ہو، عوام کی خواہشوں اور امنگوں کے مطابق لوگوں کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کے لیے کام کرے۔''

اقسام جمہوریت:

جمہوریت کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں۔

☆ بلا واسطہ جمہوریت (Direct Democracy)

☆ بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

☆ بلا واسطہ جمہوریت:

''ایسا طرز حکومت جس میں شہری براہ راست نظم ریاست میں حصہ لے سکیں ''بلا واسطہ جمہوریت'' کہلاتا ہے۔''

اس قسم کی جمہوریت ان ہی ریاستوں میں ممکن ہو سکتی ہے جو اپنے رقبے اور علاقے کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ ایسی ریاستوں میں لوگ قانون وضع کرنے، پالیسی بنانے اور افسروں کا تقرر کرنے کے لیے بذات خود جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ جمہوریت قدیم یونان اور روما

میں پائی جاتی تھی اور آج بھی سوئٹزرلینڈ کے چند علاقوں میں ایسے طریقے رائج ہیں۔

❁ بالواسطہ جمہوریت:

"ایسا نظامِ حکومت جس میں عوام براہ راست حکومت میں حصہ نہیں لے سکتے "بالواسطہ جمہوریت" کہلاتا ہے۔"

اس جمہوریت میں عوام قانون سازی کے لیے خود شرکت نہیں کر سکتے اس لیے وہ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو کہ قانون سازی، افسروں کا تقرر اور دیگر کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ آج ملکوں کا رقبہ وسیع اور آبادی گنجان ہونے کی وجہ سے بلا واسطہ جمہوریت پر عمل کرنا ممکن نہیں، اس لیے آج کے دور میں بالواسطہ جمہوریت پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس طرح عوام ان نمائندوں کے واسطے سے قانون اور پالیسیاں مرتب کرنے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ نمائندے عوام کے امانتدار اور ان کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے مفروضات

بہت سے جمہوری ملکوں میں کیا ہو رہا ہے؟ عوام کی کیا حالت زار ہے؟ ایوان بالا تک عوام کی آواز کس حد تک پہنچتی ہے؟ عوام کس حد تک اپنی بات منوا سکتے ہیں؟ یہ ایک علیحدہ بحث ہے، جب کہ جمہوریت کے حامی اور اس کا دم بھرنے والے لوگوں کے افکار و نظریات کو بغور پڑھا جائے تو ان سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نظام کو رائج کرنے کے لیے دانشوروں نے درج ذیل مفروضات لوگوں کے سامنے رکھے ہیں۔

حاکم اور محکوم کے امتیاز کا خاتمہ:

جمہوریت کی بدولت حاکم اور محکوم کا امتیاز مٹ جاتا ہے کیونکہ اس طرز حکومت میں "عوام کی حکومت عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر اور عوام کی وساطت سے" کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔

عوام کا حق رائے دہی:

جمہوریت میں عوام کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عوامی نمائندگان کی کامیابی یا ناکامی

کے لیے اپنا حق رائے دہی استعمال کریں اور اپنی مرضی کے نمائندوں کو آگے لائیں۔

اکثریت کا غلبہ:

جمہوری قانون کے مطابق وہی قانون صحیح اور تسلیم ہوگا جسے اکثریت نے قبول کیا ہو۔

اقلیت کی عدم قبولیت:

اقلیت کو اکثریت کے فیصلے ماننا ہوں گے جب کہ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کی بات صحیح ہو تب بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ❶

جمہوریت کی خوبیاں

جمہوریت کے بہت سے اوصاف و خوبیاں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

آزادانہ اظہار خیال:

جمہوریت رائے اور تنقید کے آزادانہ اظہار خیال کی مکمل اجازت دیتی ہے۔

عوامی حکومت:

عوام اکثریتی پارٹی کو حکمران منتخب کرتی ہے، جب کہ اقلیتی پارٹی حزب اختلاف بنتی ہے۔ اگر حکمران عوام کی مرضی کے مطابق حکومت نہ چلائیں تو عوام حزب اختلاف کو حزب اقتدار کی جگہ لے آتی ہے۔

مساوات کا فروغ:

مملکت کا ہر شخص خواہ امیر ہو غریب قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔

آزادانہ ووٹ:

جمہوری طرز حکومت میں ہر شہری آزادی اور مساوات کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے اس میں ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں ہوتی اس کا ووٹ برابر کی حیثیت رکھتا ہے۔

❶ اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ 380 تا 383۔

عہدوں کا حصول:

جمہوریت میں ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ترقی کر کے حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوسکتا ہے۔

جوابدہ حکومت:

جمہوری حکومت اپنی کارگردگی کی عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔

تکریم انسانیت:

جمہوریت کا یہ اصول ہے کہ انسان انسان کے لیے مقدس ہے۔

عوام کی نمائندگی:

جمہوریت کا ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ اس میں غریب عوام کا حصہ ہوتا ہے، اس طرز حکومت میں حکومت کرنا کسی خاص طبقہ کا حق نہیں، وہی شخص حکومتی مشنری کا حصہ بنے گا جسے لوگ منتخب کریں گے۔

جذبہ حب الوطنی:

جمہوریت عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور نازک مراحل پر یہ جذبہ کارگر ثابت ہوتا ہے اور تمام قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔

سیاسی پارٹیاں اور منشور:

تمام سیاسی پارٹیاں انتخابات سے پہلے اپنا منشور عوام کے سامنے رکھتی ہیں جس سے عوام کو غور وفکر کا موقع ملتا ہے اور وہ اسے ہی اپنے لیے منتخب کرتے ہیں جسے وہ اپنے لیے بہتر سمجھتے ہیں۔

عوام کا اعتماد:

جمہوریت خوف و ہراس اور دبدبے سے پاک ہوتی ہے کیونکہ جمہوریت کی بنیاد عوام کا اعتماد ہوتا ہے۔

جمہوریت کی خامیاں

جمہوریت کی جہاں بہت ساری خوبیاں و اوصاف ہیں وہیں پر اس کے کچھ نقصانات بھی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

پالیسیوں کی تبدیلی:

جمہوریت میں قانون سازی اکثریتی پارٹی کا کام ہوتا ہے، حالانکہ اس میں اقلیتی پارٹی بھی ہوتی ہے جو کہ عوام کے ووٹوں کے ذریعے ہی منتخب ہو کر پارلیمان میں براجمان ہوتے ہیں، پھر جب یہ اقلیتی پارٹی برسرِ اقتدار آتی ہے تو عموماً وہ پچھلے قوانین منسوخ کر دیتی ہے جس کی وجہ سے کوئی مستقل قانون نہیں بن پاتا۔

خاتمہ مساوات:

جمہوریت میں مساوات پر بہت زور دیا جاتا ہے جبکہ مکمل مساوات اصول فطرت کے خلاف ہے اور دنیا میں مکمل مساوات قائم کرنا ممکن نہیں۔

کثرت رائے پر مبنی حکومت:

جمہوریت علاقائی نمائندگی اور کثرت رائے کے اصول پر مبنی ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ منتخب نمائندے اپنے علاقے کے تمام لوگوں کی یکساں طور پر نمائندگی کر سکیں؛ کیونکہ ہر گروہ کا مفاد الگ ہوتا ہے جب کہ سب کا نمائندہ ایک ہی ہوتا ہے۔

نااہل لوگوں کی حکومت:

جمہوری طرز حکومت میں عالم، فلاسفر اور عام شخص ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ علماء و فلاسفر کی نسبت عام لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے جو کہ عموماً جاہل اور نااہل ہوتے ہیں۔

شخصی حکومت:

جمہوری طرز حکومت میں ایک خاص جماعت کی حکمرانی ہے جو کہ حکمی لحاظ سے شخصی

حکومت کی ایک قسم بن جاتی ہے۔

اقلیتوں کا استحصال:

جمہوریت میں حکومت چونکہ اکثریتی پارٹی کی ہوتی ہے، لہٰذا وہ اقلیت پر ظلم کرنا شروع کر دیتی ہے جیسا کہ امریکہ میں سفید فام باشندے، سیاہ فام لوگوں پر اکثریت کی بناء پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔

عدم استحکام:

جمہوریت میں حکومت کو استحکام نہیں ملتا چند سالوں کے بعد حکومت بدل جاتی ہے اور پالیسیاں تبدیل ہونے کی وجہ سے ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔

جاگیردارانہ نظام حکومت:

تمام جمہوری ممالک میں عرصہ دراز سے سرمایہ دار اور جاگیردار ہی حکومت کر رہے ہیں کیونکہ ایک عام شخص انتخابات میں ایک سرمایہ دار کو شکست نہیں دے سکتا، اس لیے ہر انتخاب کے موقع پر سرمایہ دار اور جاگیردار ہی منتخب ہوتے ہیں۔

بداخلاقی کا فروغ:

جمہوریت بداخلاقی کو ترقی دیتی ہے، کیونکہ جمہوریت نے اکثریتی رائے کے پیچھے چلنا ہوتا ہے، لہٰذا اگر اکثریت اخلاقی وصف سے عاری ہو جائے تو یقیناً حکومت کو قانونی لحاظ سے بداخلاقی کو جائز قرار دینا پڑے گا، جیسا کہ یورپ کے کچھ ممالک میں رائے اور اکثریت کو سامنے رکھ کر مادر پدر آزادی دے دی گئی ہے۔

حصول اقتدار کی جنگ:

جمہوریت میں امیدوار انتخابات کے موقع پر جیتنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرتا ہے، جس کے لیے وہ اپنی دولت پانی کی طرح بہاتا ہے اور پھر جب وہ حکومت کو حصہ بن جائے تو خرچ کی ہوئی تمام دولت پر جائز و ناجائز طریقے سے اکٹھی کرتا ہے، جو کہ عموماً عوام کی جیبوں سے ہی آتی ہے۔

ہوس پرستی:

جمہوریت میں معاشی مسائل کو ہی اولیت دی جاتی ہے۔ باقی تمام مسائل اس کے تابع ہوتے ہیں جس سے حرص، ہوس اور شکم پرستی جیسے معاشرتی امراض پیدا ہوتے ہیں جو معاشرے کے لیے انتہائی تباہ کن ہوتے ہیں۔

اخلاق حسنہ کا خاتمہ:

جمہوری طرز حکومت میں اکثریتی پارٹی کے نمائندوں میں حق گوئی اور صداقت پسندی کا وصف ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ممبر وہی کہے گا جو پارٹی کی رائے ہوگی۔ وہ اپنی پارٹی کے مفاد کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا، پارٹی کا منشور صحیح ہو یا غلط۔

پارٹیوں کا تصادم:

جمہوریت میں ایک سے زیادہ پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے۔ ہر پارٹی دوسری جماعت کے نقائص و عیوب عیاں کرتی ہے، جس سے بعض دفعہ پارٹیوں کے کارکنان میں تصادم بھی ہو جاتا ہے جو کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔

وقت کا ضیاع:

جمہوری حکومت میں کسی بھی معاملہ کے بارے فیصلہ کرنے کے لیے بہت سارے مشورے کرنا پڑتے ہیں، جس سے بہت سارا وقت ضائع ہو جاتا ہے اور وقت کا ضیاع حکومتی کارگردگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اسلام میں جمہوریت کا تصور

اسلام میں جمہوریت کا وہ تصور نہیں جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اسلام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی جمہوریت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو پورا کیے بغیر جمہوریت، اسلامی نہیں کہلا سکتی، اسلامی جمہوریت کے درج ذیل تقاضے ہیں۔

حاکمیت الٰہی:

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ادارہ ہے جس میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے ریاست کا حاکم اللہ تعالیٰ کے دستور اور قانون کے مطابق حکومت چلائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: 40)

''حکم (حاکمیت) صرف اللہ کا ہے۔''

مجلس شوریٰ:

حکومت عوام سے مشورہ کرنے کی پابند ہے نیز اسلامی حکومت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔

اسراف وتبذیر سے اجتناب:

اسلام میں بیت المال پر خلیفہ کو اہل حل وعقد کے مشورہ کے بغیر تصرف کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی اسے یہ حق ہے کہ وہ اسراف وتبذیر سے خرچ کرتا رہے۔

حق مساوات:

اسلام کی نظر میں آقا وغلام، امیر وفقیر اور چھوٹا و بڑا سب برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: 10)

''مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

صالح حکمران کا انتخاب:

اسلام خلیفہ کے انتخاب کا حق عوام کو دیتا ہے اور ساتھ یہ بھی شرط عائد کرتا ہے کہ عنان حکومت صالحین کے سپرد کی جائے۔

بلا واسطہ جمہوریت:

اسلامی جمہوریت میں ہر فرد حکومت کی ذمہ داریوں میں براہ راست شریک ہوتا ہے اور ارکان سلطنت کے سامنے اپنی رائے پیش کر سکتا ہے۔ جب کہ مغربی جمہوریت میں فرد

بالواسطہ جمہوریت میں شریک ہوتا ہے۔

پارٹی سسٹم کا خاتمہ:

اسلامی جمہوریت میں پارٹی سسٹم کا کوئی تصور نہیں۔ تمام مسلم رعایا صرف ایک ہی نظریہ سے وابستہ ہوتی ہے۔ حکومت اگر اسلامی نظریہ کے خلاف کوئی اقدام اٹھائے تو ہر شہری کا فرض ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے خلاف آواز بلند کرے۔

حق انفرادیت:

اسلامی جمہوریت فرد کی انفرادیت کے استحکام اور نشوونما کی ضامن ہے۔ فرد کے اختیار اور وسعت آزادی کو مزید وسیع کرتی ہے۔ اس پر صرف وہی پابندی عائد کرتی ہے جس کی اپنی ذات سے دوسروں کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔

اسلامی جمہوریت ہر اس ضابطہ کی مخالفت کرتی ہے جس سے فرد کی انفرادیت میں کمزوری واقع ہوتی ہے، اس لیے اس کی نظر میں ملوکیت، پیشوائیت، نازیت اور فسطائیت حرام ہے۔

سرمایہ داری کے اثرات سے نجات:

مغربی جمہوریت کے بطن سے سرمایہ دار اور اشرافیہ جنم لیتے ہیں جب کہ اسلامی جمہوریت سرمایہ داری کے بد اثرات سے نجات دلاتی ہے اور سرمایہ کو عوام کی خدمت کا ذریعہ بناتی ہے۔

② قومیت

قوم اور قومیت کی تشریح:

لفظ قوم (قَامَ۔ یَقُوْمُ) سے ہے، جس کا معنی ہے "کھڑا ہونا"۔ لفظ قوم اسم جمع ہے، جس کا مطلب ہے: "لوگوں کا ایسا گروہ جو اپنوں کے ساتھ کھڑا ہوا اور اپنے امور کا متکفل ہو۔"

قوم (Nation) کا لفظ انگریز مفکرین: "ایک آزاد قومی ریاست" کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

جرمن لوگ اس کے مرادف (Volk) یعنی "عوام" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جب کہ انگریزی میں (Volk) کے مقابلہ (People) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

انگریزی زبان میں لفظ قوم یعنی (Nation) ایک سیاسی مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ جب کہ جرمنی میں یہی لفظ عوام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے مفکرین نے قومیت کی مختلف تعریفیں کی ہیں اور ان کی بیان کردہ تعریفات کا خلاصہ یہ ہے۔

- "نسل انسانی کا وہ گروہ جسے تاریخ نے مشترک اغراض و مصالح اور بعض دیگر اسباب کی بناء پر متحد کر دیا ہو قوم یا قومیت کہلاتا ہے۔"
- "ایک ایسا گروہ جس کا ایک مخصوص وطن، مخصوص زبان، مخصوص تہذیب و ثقافت اور ایک مخصوص نظام معیشت ہو قوم کہلاتا ہے، ایک علاقے میں بسنے والے انسان جو ایک حکومت یا ملک کی وجہ سے آپس میں متحد ہو گئے ہوں قوم کہلاتے ہیں۔"
- "لوگوں کا ایسا اتحاد اور وحدت جو ایک ریاست میں رہ کر قائم کی گئی ہو قومیت کہلاتی ہے۔"[1]

---

[1] اسلام کا سیاسی نظام از پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ ص: 397۔

قومیت کے عناصر ترکیبی

قوم اور قومیت کن کن عناصر سے پیدا ہوتی ہے، اس بارے مفکرین میں شدید اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم بنانے کے لیے تہذیب و تمدن اور تاریخ و ثقافت کے لحاظ سے بہت سے عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ قوم اور قومیت کے چند عناصرِ ترکیبی درج ذیل ہیں:

① مشترکہ نسل:

قومیت کی تعریف میں نسلی اتحاد پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مفکرین کے نزدیک نسلی اتحاد قومیت کا اہم جزو ہے۔ اسی جزو سے محبت و یگانگت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ لیکن بہت سے مفکرین یہ بھی رائے دیتے ہیں کہ مشترکہ نسل قومیت کے لیے ضروری نہیں، کیونکہ ہر ملک اور قوم میں متعدد نسلوں اور خون کا امتزاج پایا جاتا ہے، مثلاً پاکستان میں پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں، لیکن اس اختلاف کے باوجود ایک ہی رشتہ میں بندھے ہوئے نظر آتے ہیں اس لیے حقیقت یہ ہے کہ مشترکہ نسل قومیت کے ارتقاء کے لیے ضروری نہیں ہاں نسلی اتحاد سے قومیت کو استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔

② مشترکہ زبان و ادب:

قومیت کی تشکیل میں زبان و ادب کے اتحاد کو بھی ضروری قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ جب زبان ایک ہوگی تو ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ مشترکہ زبان قومی نفسیات پیدا کرتی ہے جس سے اتحاد اور قومی جذبہ کی تشکیل ہوتی ہے، باہمی اخوت کے جذبات استوار ہوتے ہیں اور اجنبیت کی فضاء ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ماہرین و مفکرین مشترکہ زبان و ادب کو قومیت کا بنیادی عنصر قرار دیتے ہیں۔

لیکن درحقیقت مشترکہ نسل کی طرح زبان و ادب کا اتحاد بھی قومیت کے ارتقاء کے لیے ضروری نہیں، صرف اور صرف استحکام دے سکتا ہے، کیونکہ بہت سے ملک ایسے ہیں جن میں بہت سے زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود ایک قوم کہلاتی ہے۔

3 مشترکہ مذہب:

مذہب نے قوموں کی زندگی پر بہت اثر ڈالا ہے۔ مذہبی اتحاد لوگوں میں محبت و اخوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اس سے خیالات اور افکار میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مذہب نے لوگوں کو اتحاد اور بھائی چارہ کی لڑی میں منسلک کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اشتراک مذہب لوگوں میں زیادہ اتحاد پیدا کرنے کا موجب ہے۔ مذہبی اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ ایک آبادی میں بنیادی عقائد کا اشتراک پایا جاتا ہو۔ فروعی اختلافات اس معاملے میں قومی اتحاد ختم نہیں کر سکے۔

فروعی اختلاف کی بنا پر لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں، لیکن مسالک کے اختلافات کے باوجود ان میں مذہبی اتحاد قائم ہے۔ مذہب کے عنصر نے قوموں میں جو یگانگت، اتحاد اور اخوت پیدا کی ہے وہ کسی اور عنصر نے پیدا نہیں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب باہمی اختلافات اور دشمنی ختم کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس لیے ریاست کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مذہب کی حقیقی روح سے آگاہ رکھے تاکہ ان میں آپس کے اختلافات ختم ہو کر مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

4 جغرافیائی اشتراک:

پروفیسر غلام رسول اپنی کتاب ''اسلام کا سیاسی نظام'' میں لکھتے ہیں کہ بعض مفکرین جغرافیائی اتحاد کو قومیت کا ایک لازمی اور اہم عنصر قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب لوگ ایک ہی متعین علاقے میں زندگی بسر کرتے ہیں تو باہمی میل جول اور محبت و یگانگت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس جو لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں تو ان میں اتحاد و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ ایک قوم بن پاتے ہیں۔

لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک قوم مخصوص زبان و ادب اور رسم و رواج کی حامل ہوتی ہے، پھر گردش زمانہ سے وہ منتشر ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اندر جذبہ قومیت رکھتی ہے مثلاً انڈونیشیا ہزار ہا جزیروں میں بٹا ہوا ہے جو کہ

جغرافیائی اشتراک سے خالی چیز ہے مگر اس کے باوجود انڈونیشی لوگ ایک قوم ہیں۔

5 مشترکہ ثقافت:

قومیں اپنی ثقافت پر فخر کرتی ہیں ثقافت سے مراد تہذیب و تمدن، افکار و خیالات، رسوم عادات اور علاقائی فنون ہوتے ہیں۔ قومیں اپنے اسی ورثہ پر اپنے مستقبل کا لائحہ عمل بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم اپنے تعلیمی نصاب میں اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ کو خاص اہمیت دیتی ہے، کیونکہ یہ چیز ایک قوم کو دوسری قوم سے ممیز کرتی ہے۔ مشترکہ سیاسی واقعات، قومی تاریخ، یادداشتیں، مجموعی سربلندی، خوشی اور رنج قومیت کے عناصر میں بہت اہم اور مضبوط ہیں۔

6 مشترکہ سیاسی جذبات:

مشترکہ سیاسی جذبہ بھی قومیت کے عناصر میں سے ایک اہم عنصر ہے۔ قومیت یا تو آزاد ہو کر اپنی ایک نئی مملکت کے قیام کی خواہاں ہوتی ہے یا دوسری حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اپنے اندرونی معاملات میں آزادی چاہتی ہے۔''

مشترکہ سیاسی جذبات، تجربات اور جدوجہد ایسے عناصر ہیں جو ایک دوسرے کو قریب لاتے ہیں، ان میں جذبہ الفت و انسیت بیدار ہوتا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے مرنے اور مارنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب لوگوں کی متحدہ کوشش سے آزادی مل جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک قوم میں تبدیل کر لیتی ہے، مثلاً پاکستانی قوم کی تشکیل میں اس جدوجہد کا بہت بڑا حصہ ہے جو مسلمانوں کی انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے برسوں تک جاری رہی، آخر کار وہ کوشش پاکستان کے قیام پر منتج ہوئی۔ اور یہ سب کچھ اسی وقت ہوتا ہے جب لوگوں میں سیاسی جذبہ موجود ہو۔

7 جذبہ قومیت:

جذبہ قومیت سے مراد وہ جذبہ ہے جو لوگوں میں قومیت کا تصور بیدار کر کے اتحاد کی ایک لڑی میں منسلک کر دے۔ یہ عنصر قومیت کا جزو لاینفک ہے۔ اگر مذکورہ بالا عناصر میں

سے کوئی اور عنصر نہ پایا جائے تو تب بھی قوم کی تشکیل ہو سکتی ہے، لیکن یہ عنصر موجود نہ ہو تو کوئی قوم اپنے آپ کو قوم نہیں بنا سکتی جیسا کہ بعض مفکرین کا قول ہے کہ:

''اگر لوگ اس بات کا احساس کر لیں کہ وہ ایک قوم ہیں تو وہ ایک قوم ہو جاتے ہیں۔''❶

تحریکِ قومیت کی تاریخ

قومیت کا آغاز کب ہوا؟ اس بارے اختلاف ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق:

''تمدن کے آغاز سے ہی قومیت کا آغاز ہوا اور تمدن قبائلی زندگی کا نتیجہ ہے۔ دنیا کی ہر ریاست پہلے چھوٹے چھوٹے قبائل میں بٹی ہوئی تھی، ریاست ایک ہی ہوتی تھی لیکن اس میں کئی قبائل رہتے تھے جن کا اپنا سیاسی نظام ہوتا تھا، پھر دنیا قبائلی زندگی سے آگے بڑھی تو قومی دوائر میں تقسیم ہوگئی، یعنی ریاستوں کا قبائلی نظام ختم ہوگیا اور اس کی جگہ قومی نظام نے لے لی تو قبائل کا ایک جگہ جمع ہو جانا قوم اور قومیت کہلاتا ہے۔''

چنانچہ جب قوم بنی تو ریاستیں ایک نظام کے تحت آ گئیں، اس لیے جو محرکات قبائلی زندگی میں کارفرما تھے وہی قومی زندگی میں کارفرما ہو گئے۔ بابل، مصر، ایران، یونان اور فارس و روم کی قدیم تہذیبوں میں قومیت کا جو تصور تھا آج بھی دنیا میں وہی پایا جاتا ہے۔ اگر جذبہ قومیت نہ ہوتا، تو بنی اسرائیل کبھی بھی موسیٰ کے گرد جمع نہ ہوتے اور انہیں فرعون سے نجات نہ ملتی۔

ایک دوسرے نظریہ کے مطابق: ''قومیت کا آغاز 15 ویں صدی میں انگلستان کی لڑائی سے ہوا۔ یہ جنگ ایک سو سال تک رہی۔ اس جنگ کے نتیجہ میں دونوں ملکوں میں قومی زبان اور ثقافت کی وجہ سے قومی جذبات بیدار ہوگئے، جو قرونِ وسطیٰ کے نصرانی نظریات کے مخالف تھے۔ پھر جب یہ جذبات زور پکڑ گئے تو دونوں ملک دو قومی ریاستیں بن گئے۔ 16 ویں صدی

❶ اسلام کا سیاسی نظام، صفحہ 400 تا 404۔

میں یورپ میں مذہبی جنگیں شروع ہوئیں تو اسپین اور ہالینڈ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور یہ دونوں بھی دو قومی ریاستوں میں بٹ گئے۔ اسی طرح جنگوں کا سلسلہ وسیع ہوا تو مغربی اور وسطی یورپ قومی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ 18 ویں صدی کے آخر میں فرانس میں انقلاب رونما ہوا، جس کے نتیجے میں قومیت کی لہر پورے یورپ میں دوڑ گئی اور سارا یورپ قومیت کا علمبردار بن گیا۔

اگر قومیت کی تاریخ کے متعلق مختلف نظریات کا علمی جائزہ لیا جائے تو تضاد ختم ہو جاتا ہے۔ قومیت اپنی روح کے لحاظ سے آغازِ تمدن کے وقت سے ہے، اگر یہ روح نہ ہوتی تو کوئی قوم زندہ نہ رہتی اور نہ ہی اپنی بقاء کے لیے کوشش کرتی، لیکن 15 ویں صدی میں قومیت نظریہ کے طور پر مفکرین کا موضوع بنی۔

اس طرح قومیت اپنی روح کے لحاظ سے اتنی ہی قدیم ہے جتنا تمدن، جب کہ نظریہ کے لحاظ سے اس کا آغاز 15 ویں صدی میں ہوا۔ گویا قومیت کی روح کو 15 ویں صدی میں نظریہ کی حیثیت دے دی گئی، مفکرین نے اس پر لکھنا شروع کر دیا اور قومیت ایک سیاسی نظریہ بن گئی۔

قومیت کے فوائد

❶ جمہوریت کا فروغ:

قومیت حریتِ انسان اور جمہوریت کے فروغ و ترویج میں بڑا اہم اور نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ دراصل قومیت جمہوری خواہشات کی پیداوار ہے، اس لیے قومیت اپنے ملک میں جمہوریت پیدا کرنے کی خواہاں ہوتی ہے۔ یہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹتی اور خودداری کا درس دیتی ہے۔

❷ اتحاد و انسیت کے جذبات:

قومیت اتحاد و انسیت کے جذبات پیدا کرتی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے۔ جب کسی قوم میں یہ جذبہ سرد پڑ جاتا ہے تو وہ بیرونی طاقتوں کا لقمہ بن

جاتی ہے۔

3 معاشی ترقی:

قومیت سے قوم زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر جاتی ہے؛ کیونکہ عوام جذبہ قومیت سے سرشار ہو کر جانفشانی سے کام کرتے ہیں، جسے ملک کی معاشی ترقی ہوتی ہے اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔

4 قربانی کا جذبہ:

قومیت عوام کو اپنے محدود گروہوں، مثلاً اعزہ و اقرباء کی تنگ نظریوں سے بلند کر کے قومی سطح پر سوچنے کی راہنمائی کرتی ہے اور عوام ملک و قوم کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

قومیت کے نقصانات

قومیت کے جہاں بہت سارے فوائد ہیں، وہیں اس کے نقصانات بھی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1 امن کی تباہی:

قومیت دنیا میں جنگ، نفرت اور تعصب کے جذبات کو فروغ دیتی ہے اور امن و رواداری کے اصولوں کو پامال کرتی ہے۔ اس دور میں باہمی منافرت، جنگ و جدال اور امن کی تباہی کی سب سے بڑی وجہ محض قومیت ہے۔ جس کا اعتراف یورپی مفکرین بھی کرتے ہیں۔

2 احساس کمتری کا فروغ:

قومیت نے انسانیت میں غیر فطری تقسیم کر دی ہے، جس کی وجہ سے ہر قوم دوسری قوم کو اپنے سے کمتر سمجھتی ہے۔

3 تنگ نظری کی فضاء:

قومیت نے انسانیت اور انسانوں کے درمیان نامعقولیت کی شیطانی دیواریں کھڑی

کر دیں ہیں، جس کی وجہ سے انسان خود ساختہ جیلوں میں محبوس ہیں۔

4 جنگوں کا لامحدود سلسلہ:

قومیت کا جذبہ انسانی راستہ میں سب سے بڑا پتھر ہے۔ قومیت کی وجہ سے انسان کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں یا تو وہ اپنی قومیت کو قائم رکھے، اس طرح دنیا میں جنگ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یا کسی قوم کے بین الاقوامی اتحاد کا راستہ اختیار کرے۔

5 اخلاق کی تباہی:

قومیت اخلاق کی تباہی کا باعث ہے۔ اس کی رو سے عالمگیر انسانیت، خدائے واحد اور احترام آدمیت کے تمام نظریات باطل قرار پا جاتے ہیں اور ان کی جگہ علیحدگی، تکبر، انانیت اور خودغرضی جیسے نظریات پیدا ہوتے ہیں۔

6 جاہلانہ عصبیت کا فروغ:

قومیت قوموں میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرتی ہے۔ گورے، کالے، مشرقی، مغربی، عجمی اور عربی کا تصور قومیت کا پیدا کردہ ہے۔ قومیت ایک خالصتاً دنیاوی تحریک ہے، جو مذہب پر اثر انداز ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں سے مذہب کا اثر زائل کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کا کوئی بھی دین نہیں رہتا۔

تصور امت اور قومیت

بعض دانشور اور مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے تصور امت میں بھی جذبہ قومیت پایا جاتا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے؛ کیونکہ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قومیت کی بنیاد مشترکہ زبان، مشترکہ مذہب، نسلی اتحاد، مشترکہ ثقافت اور رسوم و رواج، مشترکہ جغرافیہ، مشترکہ سیاسی جذبات اور جذبہ قومیت پر ہے۔ جبکہ اسلام قومیت کی بجائے امت کا تصور پیش کرتا ہے، جو رنگ، زبان، وطن، خون، نسبت اور علاقہ جیسی تمام قیود سے بے نیاز ہو کر ایک نظریہ کی وابستگی کے باعث وجود میں آتی ہے۔ وہ نظریہ اسلام ہے اور یہ ایک ایسا عظیم نظریہ

ہے جو قومیت کی طرح تعصب، غیر ملکی تقسیم، اخلاقی گراوٹ، نفرت اور جنگ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کا اتحاد عالمی اور بین الاقوامی ہے، وہ اس طرح کہ مشرق میں بسنے والا ایک مسلمان مغرب میں بسنے والے مسلمان کا بھائی ہے۔ گو کہ ان میں رنگ و نسل اور نسب و وطن کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسلام کے تصور امت کو سمجھنے کے لیے بنیادی طور پر دو باتیں مدنظر رکھنی چاہیے۔

* امت اسلامیہ کی بنیاد کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر ہے، جو شخص یہ کلمہ پڑھ لے وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والے مسلمان کا بھائی بن جاتا ہے۔ یعنی امت اسلامیہ کی بنیاد توحید و رسالت ہے۔ جو شخص اس کا اقرار کر لیتا ہے، وہ امت محمدیہ میں شامل ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ امت کی رکنیت کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہے، کیونکہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ (سباء:28)

''اور ہم آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

* امت اسلامیہ ایک اصولی برادری ہے اور اس برادری میں داخل ہونے والا خون، نسب، رنگ، زبان اور وطن کے تمام رشتوں کی بیڑیاں اپنے پیروں سے نکال دیتا ہے۔ اب اس کی برادری پوری امت اسلامیہ ہی ہوتی ہے اور اسلام نے عزت و عظمت کا معیار رنگ و نسل اور قوم کو نہیں، بلکہ تقویٰ کو قرار دیا ہے اور اس امت کے تعلق کا نقشہ جنگ بدر میں ابھر کر سامنے آیا، جب نسب اور نسل کے تمام رشتے کٹ گئے۔ اگر تصور امت کو قومیت کی طرح سمجھا جائے تو قطعاً ممکن نہیں تھا کہ باپ، بیٹا اور بھائی ایک دوسرے کے سامنے برسر پیکار ہوتے۔ اس لیے ان لوگوں کی سوچ غلط ہے جو اسلام کے تصور امت اور قومیت کو ایک سمجھتے ہیں۔

سطور ذیل میں امت اسلامیہ کے کچھ اوصاف بیان کیے جاتے ہیں جو کہ خالصتاً عقائد و نظریات پر مبنی ہیں اور یہاں قومیت کے عناصر میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائی جاتی۔

امت اسلامیہ اور اس کے اوصاف

امت اسلامیہ کے نمایاں اوصاف درج ذیل ہیں۔

1 خالص توحید:

توحید یعنی اللہ کے ایک ہونے پر ایمان و یقین رکھنا، امت اسلامیہ کا سب سے بڑا وصف ہے۔ یہ خالص توحید پر ایمان رکھتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی ربوبیت، الوہیت اور صفات میں یکتا و تنہا اور وحدہ لاشریک لہٗ مانتی ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے خالص توحید کا تصور پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (الحج:34)

''تمہارا معبود ایک ہی اللہ ہے، سو اُسی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔''

نیز توحید یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کی جائے گی اس کے سوا کسی کو معبود تسلیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ لا الہ الا اللہ میں دو چیزیں ہیں۔

پہلے حصے میں تمام معبودان باطلہ کی نفی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں ایک ذات کا اثبات ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔

یعنی توحید خالص سے مراد شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے، اگر کوئی شخص توحید کا اثبات کرتا ہے لیکن شرک کی نفی نہ کرے تو وہ بھی مسلمان نہیں، جیسا کہ اہل مکہ کا طرز عمل تھا وہ اللہ کو مانتے تھے لیکن اپنے باطل معبودوں کی نفی نہیں کرتے تھے۔

2 توحید کے تقاضے:

توحید اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو روزی دینے والا، اولاد دینے والا زندگی اور موت کا مالک، مصائب و مشکلات دور کرنے والا، عبادت اور نذر و نیاز کے لائق

اور کائنات کی ہر چیز پر علم، سلطنت، قدرت اور اختیارات رکھنے والا تسلیم کیا جائے۔

اسی طرح توحید یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرے، کیونکہ خواہشات پرستی کو بھی اللہ نے معبودِ باطل قرار دیا ہے۔

﴿ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ (الفرقان:43)

''کیا آپ نے وہ شخص دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔''

توحید ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم یہ ایمان و عقیدہ رکھیں کہ جو کام اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں وہ کسی انسان سے نہیں ہو سکتے، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کی صفات دنیا کی کسی اور چیز میں بھی ہو سکتی ہیں وہ آدمی توحید سے خالی اور شرک پر گامزن ہے۔

3 ایمان:

امت اسلامیہ کا یہ وصف ہے کہ وہ ہر اس چیز پر ایمان رکھتی ہے جس پر ایمان لانے کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ یعنی اللہ، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں، آخرت کے دن اور اچھی یا بری تقدیر پر ایمان لانا۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جو ایک مسلمان کا اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط کرتی ہے اور جب تمام مسلمانوں کا ایک ذات کے ساتھ تعلق بن جاتا ہے تو وہ مسلمان ایک جماعت، ایک گروہ اور ایک امت بن جاتے ہیں۔ اسلام نے یہاں تک تعلیم دی ہے کہ جو ان چیزوں میں سے ایک پر بھی ایمان نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں۔ یعنی امت اسلامیہ جس دور یا جس خطے پر ہو ان کی بنیاد ایک ہی ہوتی ہے اور وہ ہے ایمان۔ امت مسلمہ توحید الٰہی کے بلند منبر پر کھڑے ہونے کے بعد رسولوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، قیامت اور تقدیر پر ایمان لے آتی ہے، جس کی وجہ سے سبھی مسلمان ایک بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔

4 شوریٰ:

امت اسلامیہ میں کوئی بھی فرد و بشر اپنے ذاتی فیصلوں کو عوام پر مسلط نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معاملات کو باہمی مشاورت سے طے کریں،

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد کریم ﷺ کو بھی حکم دیا:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ﴾ (آل عمران:159)

''اور ان سے باہمی معاملات میں مشاورت کیجیے۔''

اور نبی ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں بھی ثابت کر دکھایا کہ ایک نبی کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے جانثاروں اور تابع داروں سے مشاورت کرے، اس لیے کہ یہ مشاورت بہت ہی فوائد کی حامل چیز ہے۔

5 انفاق فی سبیل اللہ:

امت اسلامیہ کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس کے متمول اور صاحب ثروت لوگ غریبوں، ناداروں اور مستحق افراد کی بحالی کے لیے ان پر اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، جسے انفاق فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسا عظیم عمل ہے جس سے معاشرتی تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان فاصلے کم ہوتے ہیں اور پھر غریب اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غریب احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا اور امیر اپنے آپ کو انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق نہیں سمجھتا، جس معاشرے میں یہ چیزیں آجائیں وہ مثالی معاشرہ بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے امت اسلامیہ پوری دنیا میں مثالی معاشرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

6 صبر واستقامت:

صبر اور استقامت دو ایسی خوبیاں ہیں، جو کسی بھی انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو بار بار صبر و استقامت کی تعلیم فرمائی ہے۔ امت اسلامیہ کا ہر فرد کوشش کرتا ہے کہ وہ مصائب و آلام اور پریشانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے، جس سے ایک مضبوط اور مستحکم معاشرہ جنم لیتا ہے۔ یعنی امت اسلامیہ اس لحاظ سے ایک مضبوط اور مستحکم امت ہے۔

7 ذکرِ الٰہی:

ذکرِ الٰہی کو امت اسلامیہ کے لیے ایک مضبوط قلعہ کہا گیا ہے، جس پر قرآن کی بہت سی آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں۔ امت اسلامیہ کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس قدر بھی دنیاوی معاملات میں مشغول ہو جائے اپنے آپ کو ذکرِ الٰہی سے منسلک رکھتے ہیں اور جو شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھتا ہے اور اس کے ذکر میں مگن رہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر اور مددگار بن جاتا ہے۔

8 علومِ اسلامیہ:

بنیادی طور پر امت اسلامیہ کے علوم ساری امت کے لیے یکساں ہیں۔ بنیادی عقائد ہوں یا تعلیمات، دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے مسلمان انہی عقائد و تعلیمات کو حاصل کرتا ہے اور علوم اسلامیہ میں سب سے اہم علوم قرآن و حدیث ہی ہیں، جبکہ بقیہ علوم ان دونوں علوم کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ملت اسلامیہ کا نصاب ایک ہی ہے، دنیا کے ہر کونے میں رہنے والے مسلمان ایک ہی نصاب پڑھتا ہے۔

9 تعصب کا خاتمہ:

امت اسلامیہ ایک مثالی امت ہے، رسول کریم ﷺ نے جاہلانہ تعصب، نسلی، لسانی اور قومی امتیازات کو مٹا دیا، جبکہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا کی ہر قوم تعصب کے مرض میں مبتلا تھی۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ پوری ملت اسلامیہ بھائی بھائی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے کسی گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ہاں! اگر امتیاز کرنے والی کوئی چیز ہے، تو وہ تقویٰ ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی آیات میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات: 13)

''اے ایمان والو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور

تمھارے خاندان اور قبائل بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

یہ آیت نسلی تفوق کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی نسل ایک ہے۔ نسل کے بڑھ جانے کی وجہ سے مختلف قبیلے بن گئے ہیں۔

10 نسل و وطن، زبان اور رنگ کی تفریق کا خاتمہ:

اسلام نے تعصب کا خاتمہ اور استیصال کیا تو رنگ و نسل اور وطن و زبان کی تفریق کا خاتمہ خود بخود ہو گیا اور یہ تفریق ہو بھی کس طرح ہو سکتی ہے کہ پوری انسانیت کے باپ اور ماں ایک ہی ہیں۔ اس بات کو اللہ نے اس طرح بیان کیا:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ﴾ (النساء: 1)

اور نبی ﷺ کا حجۃ الوداع کے موقع پر یہ فرمانا:

کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسانوں میں اللہ کے ہاں بلند مقام اسی کا ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو۔ کسی اعلیٰ خاندان یا کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی کو عزت نہیں مل جاتی، عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

11 مساوات:

اسلام مساوات کا حامی دین ہے۔ اس لیے اس نے امت اسلامیہ کو مساوات کا درس دیا ہے۔ اب دیکھیں سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ امت اسلامیہ کے ایک فرد تھے، جبکہ انہیں اہل بیت میں شمار کیا گیا۔ اسی طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ایک غلام کی حیثیت سے اسلام میں آئے، لیکن آدھی دنیا پر حکومت کرنے والے عمر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کے بارے کہا تھا کہ:

''بلال رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں۔''

اس کی اور بہت سی مثالیں نبی ﷺ کی سیرت طیبہ سے ملتی ہیں۔

12 اعتدال:

امت اسلامیہ کا ایک بہت ہی عظیم وصف یہ بھی ہے کہ یہ اعتدال والی امت ہے اور یہ اعزاز اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اعتدال والی امت کا مطلب ہے:

''جو افراط وتفریط اور غلو وتنقیص سے پاک ہو۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 110 میں اسی راہ اعتدال پر چلنے کی وجہ سے ہی امت اسلامیہ کو بہترین امت قرار دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران:110)

''تم لوگوں کے لیے نکالی گئی بہترین امت ہو۔''

امت اسلامیہ کے ان اوصاف سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امت اسلامیہ کی بنیاد قطعی طور پر ان تصورات پر نہیں جن پر قومیت کی خودساختہ عمارت کو کھڑا کیا گیا ہے۔

امت اسلامیہ ایک ایسے نظریے پر قائم ہے جس پر ملک، قوم، رنگ ونسل، زبان وادب اور جغرافیائی اشتراک کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس کی بنیاد عظیم کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ہے۔

3 مارکسزم

تعارف:

مارکسزم یہودی مفکر کارل مارکس کی طرف منسوب نظریہ ہے۔ کارل کا خاندان مارکس کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا باپ یہودی تھا اور وکالت کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھا۔ کارل مارکس رائن لینڈ کے شہر ٹرائر 5 مئی 1818ء کو پیدا ہوئے۔

کارل کارکس کا خاندان مذہب سے وابستہ تھا۔ لیکن اس نے اپنے خاندان کا اثر قبول نہ کیا بلکہ بے باک اور ضدی اور ہٹ دھرم انسان کی صورت میں اپنا لڑکپن طے کیا۔ یہ اس شخص کی طرح تھا جو عقل کی پیروی کرتا اور اپنی ذات کو بے خطا سمجھتا۔ سترہ سال کی عمر میں یونیورسٹی میں داخل ہوا، قانونی تعلیم حاصل کی اور طالب علمی کے دور میں اس کی شادی ہوئی۔ 1841ء میں P.H.D کی ڈگری لینے کے بعد اس کے افکار میں اور زیادہ پختگی آ گئی۔ کارل مارکس کی زندگی عروج وزوال کا شکار رہی۔

مارکسزم اسی کا ایک نظریہ تھا جسے اشتراکیت بھی کہا جاتا ہے، یہ مرتے دم تک اسی پر قائم رہا، اس نے سیاسی اور اقتصادی طور پر ایک ایسی تحریک کھڑی کی جس نے بہت سے مفکرین کو متاثر کیا۔

مارکسزم اس نظریے کا حامی ہے کہ ''سرمایہ داری نظام ایک لعنت ہے اور تمام انسانوں کو سیاست ومعیشت میں برابر کا حق ملنا چاہیے۔'' اس بارے میں ایک امریکن مصنف کا قول ہے:

''سب سے اعلیٰ حکومت وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ حکمرانی سے احتراز کرے۔''

یہ تحریک سرمایہ داری کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر سامنے آئی، اس کا دعویٰ تھا کہ

حکومت ایک لعنت ہے، اس کے مٹا دینے سے ہی انسان کو فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

مارکسزم کا دعویٰ یہ تھا کہ ’’سیاسی لحاظ سے ہر آدمی اپنے معاملات میں خود مختار ہونا چاہیے اس کے افعال و اقوال پر حد بندی کرنے والی کوئی بیرونی طاقت نہیں ہونی چاہیے۔ سماج کا ہر رکن فاعل مختار ہو اور اس کے اپنے ضمیر کو اس کے افعال کی نگرانی کرنے کے لیے کافی سمجھا جائے۔ اس کی بدولت سماج کے افراد اپنے تعلقات میں توازن پیدا کریں گے اور تصادم کا کھٹکا باقی نہیں رہے گا۔‘‘

مارکسزم کی خوبیاں

مارکسزم کی خوبیاں درج ذیل ہیں۔

- مارکسزم سیاسی لحاظ سے عوام کو ہی حکومت کا حقدار بنانے کا حامی ہے۔
- مارکسزم معاشرے میں کروڑ پتی کارخانہ دار اور سماج کے سینے میں اپنے آہنی پنجے گاڑے ہوئے سرمایہ داروں کا استیصال کرتا ہے۔
- مارکسزم مزدوروں کو ان کی محنت کے مطابق اجرت دلانے اور ان کے لیے وقت اور کام کے تعین جیسے حقوق دلاتا ہے۔
- مارکسزم کے مطابق مسائل معیشت پر برابر کا حق ہونا چاہیے اور اس طرح سب لوگوں کو مناسب روزگار مل سکے گا۔
- سرمایہ دارانہ نظام اور سرمایہ داروں کے باہمی اتحاد کا قلع قمع کرتا ہے۔
- مارکسزم کے مطابق ہر آدمی اپنے معاملات میں خود مختار ہونا چاہیے، اور کوئی بھی بیرونی و اندرونی طاقت اس کے افعال و اقوال پر پابندی لگانے کی مجاز نہیں۔
- مارکسزم نے مزدوروں کو ایک فعال عنصر کے رنگ میں پیش کیا اور تحریک اشتراکیت کی نوک پلک کو ٹھیک کیا۔

مارکسزم کی خامیاں

مارکسزم کی خامیاں درج ذیل ہیں۔

1- مارکسزم ہر انسان کو مادر پدر آزادی دینے کا حامی ہے۔

2- مارکسزم انفرادی ملکیت کا مخالف ہے۔

3- مارکسزم کے مطابق ایک مزدور اور ایک پروفیسر یا ڈاکٹر برابر کی اجرت کے حقدار ہیں۔

4- مارکسزم لمبی حکومت کے مخالف ہے۔

5- مارکسزم اس بات پر زور دیتا ہے کہ دنیا سے میراث کا نظام ختم کر دینا چاہیے اور پیداوار دولت کے تمام وسائل حکومت کے قبضہ میں ہوں گے۔ اگر مارکسزم کے نظریات کے مطابق معاشرے کو ڈھال لیا جائے تو سماج کے افراد اپنے تعلقات میں توازن نہیں رکھ پائیں گے۔

④ کمیونزم

تعارف:

سیاسی اور معاشرتی نظریات میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والا نظریہ کمیونزم ہے۔ بہت سی عمرانی تحریکات اپنے مقاصد میں ناکام رہیں اور ان کے مقابلہ میں سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہوا، لیکن سرمایہ داری کے خلاف اگر کسی نظام کو کامیابی حاصل ہوئی تو وہ کمیونزم تھا۔

کمیونزم حکومت دیرینہ زمانے میں یونان میں ظاہر ہوئی تو لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی آواز دبا دی۔ اس کے بعد دوسری دفعہ فارس کی زمین پر مزدک نامی آدمی اور اس کے ہم خیال لوگوں کے ذریعے ظاہر ہوئی، مگر اس کے خلاف لوگوں نے جدوجہد کی اور اس کو خاموش کر دیا۔ تیسری دفعہ روس میں ظاہر ہوئی اور دوسری حکومتوں مثلاً چین، یوگو سلاویہ اور جرمنی وغیرہ نے اس کی پیروی کی لیکن پھر زوال کا شکار ہوگئی اور بالآخر روس سرمایہ داری کی طرف آ گیا۔

نظریہ کمیونزم تین چیزوں سے مل کر مکمل ہوتا ہے۔

* فلسفہ * اقتصاد * سیاست

کمیونزم نصب العین بھی ہے اور لائحہ عمل بھی، یہ خوبی اور برتری فلسفہ، اقتصاد اور سیاسیات کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے تو اس کی عملی و علمی حیثیت میں فرق آ جاتا ہے۔ کمیونزم کے نظریے کے مطابق دولت اور عورت کا سب میں یکساں پھیلاؤ ہونا چاہیے اور دولت آفرینی کا تصور بھی غیر محدود ہے۔ کمیونزم کے مطابق انسان کو اپنی ضروریات سے زائد مال حکومت کے پاس جمع کروا دینا لازم ہے اور اگر کمیونزم کو

عملی میدان میں دیکھیں تو اس کے قول و عمل میں تضاد ہی تضاد ہے۔

کمیونزم نے سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ جس کے نتیجے میں بہت سے سرمایہ داروں نے خودکشی کی مثلاً کوڈک کیمرہ کی فرم 1932ء میں کساد بازاری کا شکار ہوگئی اور اس کے مالک ایسٹ مین نے خودکشی کی۔

برٹرانڈ رسل کا قول ہے:

"کمیونزم نے مذہب کی نفی کر کے ایک لادین مذہب بنا لیا ہے، اس لیے اس کا مذہب، تاریخی مادیت، اس کی سیاست طبقاتی جنگ ہے اور اس کی معاشیات قدر زائد کا نظریہ ہے۔"

کمیونزم کی خوبیاں

کمیونزم کے چند اوصاف درج ذیل ہیں۔

* کمیونزم مزدوروں کے استحصال کے خلاف ہے اور اس کے لیے کمیونزم حکومتوں نے قانون سازی بھی کی تھی۔
* کمیونزم سرمایہ داری نظام کو انسانی تمدن و ہزارات کے لیے زہر قاتل سمجھتا ہے۔
* کمیونزم کی خوبی یہ بھی ہے کہ وسائل کی یکساں تقسیم کا قائل ہے۔

کمیونزم کی خامیاں

کمیونزم کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

* کمیونزم کا نظریہ، یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ اور مقصد روٹی ہے۔
* کمیونزم کا موضوع صرف مادہ ہے اور اسی پر اس نظریہ کی بنیاد ہے۔
* اس کے مطابق انسان صرف ایک طبعی جسم ہے موت کے بعد فنا ہو جائے گا۔
* کمیونزم دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک طبقہ کو برباد کرتا جبکہ دوسرے طبقہ کو

حکمرانی کا تاج پہنا تا ہے۔

- کمیونزم ذاتی ملکیت کو موجد فساد قرار دیتا ہے۔
- کمیونزم کا نظریہ ہے کہ دولت اور عورت کی تقسیم سب میں یکساں ہونی چاہیے جو کہ فطرت انسانی کے بالکل مخالف ہے۔
- مارکسزم کی طرح کمیونزم بھی ایک مزدور اور ایک پروفیسر کو برابر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
- کمیونزم میں انسان کی جائیدادصرف اور صرف گھریلو سامان کو تصور کیا جاتا ہے۔
- کمیونسٹ حکومتوں میں زندگی کے تمام شعبوں پر حکومت حاوی ہوتی ہے، حتی کہ بچوں کی پرورش و تربیت کا سارا بوجھ حکومت پر ہوتا ہے اور یوم ولادت سے ہی بچے حکومتی نگہداشت میں دیئے جاتے ہیں، ماں باپ محض دیکھنے کے لیے ہی مجاز ہوتے ہیں اس سے خاندانی نظام کیسا ہوگا؟ یہ سب پر عیاں ہے۔

⑤ کیپٹلزم

تعارف:

کیپٹلزم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اس پر لفظ سرمایہ داری بولا جاتا ہے۔

مارکسزم اور کیمونزم سے پہلے دنیا کے بہت سے ملکوں میں کیپٹلزم کا راج تھا، گو کہ کیمونزم، کیپٹلزم اور مارکسزم کا بنیادی تعلق معیشت کے ساتھ ہے، لیکن کوئی بھی سیاست یا حکومت معیشت اور اقتصادیات کے بغیر نہیں چل سکتی۔

سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسی معاشی تنظیم ہے جس میں افراد اجتماعی یا انفرادی حیثیت سے پیداوری ذرائع بشمول زمین کے مالکانہ حقوق لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان ذرائع کو جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے مکمل طور پر مجاز ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں بھی مزدور کو اس کی اجرت پوری نہیں دی جاتی۔ محنت کی ارزانی سے سرمایہ دار بڑے بڑے کارخانے قائم کرتے ہیں، جن میں ہزاروں کی تعداد میں مزدور اجرت پر کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے سرمایہ داریوں کا کاروبار ترقی حاصل کر لیتا ہے، جبکہ چھوٹے سرمایہ داران کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ایک دن مزدوروں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ معاشی رقابت جنگ کا سبب بنتی ہے اور یہ جنگ ہی اس نظام کے لیے پیغام اجل ثابت ہوتی ہے۔ ادھر دولت مند طبقے کی دولت میں روز بروز اضافہ کی وجہ سے ان میں قارونی اور شدادی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ عیش و عشرت کی وجہ سے ملک کی اخلاقی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور مزدور کی اخلاقی حالت دن بدن گرتی چلی جاتی ہے۔

بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے مال و دولت اور سرمایہ کی وجہ سے سیاسی اثر و رسوخ حاصل کر لیتے ہیں اور پھر حکومتوں سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرواتے ہیں، جس سے ملک کا

دستوری اور آئینی نظام تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔

کیپٹلزم کی خوبیاں

کیپٹلزم کا تصور چند خوبیاں رکھتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

- کیپٹلزم کی بدولت مادی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور وسائل نقل و حمل بہتر ہوتے ہیں۔
- ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ملکی دولت سے اپنا حصہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔
- صارفین کو ان کی پسند کی اشیاء مل جاتی ہیں، کیونکہ سرمایہ دار وہی اشیاء پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو صارفین پسند کرتے ہوں۔
- باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہر سرمایہ دار اپنی اشیاء دوسرے سے کم قیمت پر فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن سے صارفین کو سستی اشیاء مل جاتی ہیں۔
- کیپٹلزم میں انسان کی سیاسی، مذہبی اور عقلی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے۔ صحافت، حق رائے دہی اور تحریر و تقریر کی آزادی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ حکومت وقت کی مخالف جماعتیں بھی آئینی حدود میں رہ کر آزادی سے کام کر سکتی ہیں۔

کیپٹلزم کی خامیاں

کیپٹلزم کی خامیاں درج ذیل ہیں۔

- سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مزدور کو کم سے کم اجرت دے اور وہ زیادہ سے زیادہ محنت کرے، جیسا کہ یہ چیز پرائیویٹ سیکٹر میں عام نظر آتی ہے۔
- کیپٹلزم کی وجہ سے ملکی دولت چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔
- سرمایہ دار اپنے معاشی تسلط کی وجہ سے ملکی سیاست پر بھی چھا جاتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی

مرضی کے خلاف کوئی بھی قانون نہیں بن پاتا، کیونکہ حکومت انہی لوگوں سے بنتی اور انہی کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔

- مزدور طبقے کا معیار زندگی کبھی بلند نہیں ہو پاتا انھیں ان کی محنت و مشقت کا اتنا ہی معاوضہ ملتا ہے، جس سے ان کا بمشکل گزارہ ہو سکے۔
- کیپٹلزم میں مذہب کو نظام معیشت و سیاست سے الگ کر کے مسجدوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ ناجائز منافع اندوزی میں رکاوٹ نہ بن سکے۔
- کارخانوں اور صنعتوں کی بہتات کی وجہ سے گھریلو صنعتکاری اور دستکاری دم توڑ دیتی ہے اور دستکار اپنا آزاد پیشہ ترک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
- بڑے سرمایہ دار سرمائے میں اور روزگار میں اضافہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ چھوٹے سرمایہ داروں کے کاروبار بند ہو جاتے ہیں اور وہ مزدوری کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔
- سرمایہ دار نظام سے عیاشانہ طرز زندگی کو فروغ ملتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ انسانیت کی اخلاقی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

⑤ سوشلزم

تعارف:

سوشلزم کو عربی اور اردو زبان میں ''اشتراکیت'' کا نام دیا جاتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق: ''سوشلزم بنیادی طور پر ایک ایسا نظریہ یا تحریک ہے، جس کا نصب العین پیداواری ذرائع کو اجتماعی کنٹرول میں لیتے ہوئے قوم کو اجتماعی طور پر اس طرح منظم کرنا ہے کہ عام لوگوں کے مفادات کا تحفظ ممکن ہو سکے۔''

سوشلزم کے حامی لوگوں کے مطابق سوشلزم سے مراد: ''ایسی تحریک ہے جو بڑے پیمانے پر پیدائش دولت کو عمل میں لانے والی تمام اشیائے سرمایہ کو اپنی انفرادی انتظامیہ کی تحویل یا ملکیت میں دینے کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کی ملکیت میں دینا چاہتی ہے، تا کہ بڑھتی ہوئی آدمی کی مساوی تقسیم عمل میں لائی جا سکے۔''

سوشلزم بنیادی طور پر مارکسزم اور کیموزم کے نتیجہ میں وجود میں آیا یعنی یہ تحریک بھی سرمایہ داری نظام کے خاتمہ کے لیے کھڑی ہوئی اور اس نظام کو زبردستی رائج کرنے والا روسی آمر ''سٹالن'' تھا۔ جبکہ سیاسی لحاظ سے اس نظریے کو ترویج دینے والا ''لینن'' تھا۔

سٹالن نے روس میں اشتراکیت کا نفاذ کرتے وقت حکم دیا کہ کسان حکومتی اسکیم کو ناکام بنانے کے لیے اپنی کوشش چھوڑ دیں وگرنہ ان کے سارے غلہ پر قبضہ کر لیا جائے گا اور انھیں مرتے دم تک بھوکا چھوڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ جب حکومت نے سوشلزم کا اعلان کیا تو عوامی رد عمل اس صورت میں سامنے آیا کہ لوگ اپنے مویشیوں کو حکومت کی تحویل میں دینے کی بجائے انہیں قتل کر دینا بہتر سمجھتے تھے۔ اس کے لیے حکومت نے اعلان کر دیا کہ: ''جو کسان کسی ایک مویشی کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے اس کو پھانسی دے دی جائے گی۔''

تاریخ شاہد ہے کہ روس کے حالات ایسے بن گئے تھے کہ انسان انسانوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ سٹالن کی بیٹی بھی اپنے باپ کے اس نظام سے بیزار ہوئی اور اس نے اپنے باپ کے اس نظام کے بارے میں اپنے ایک بیان میں کہا کہ:

''بچپن میں مجھے جو تعلیم دی گئی تھی، میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد اس سے انحراف کر لیا ہے۔ یہ انحراف میرا ذاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ میری فکر میں زبردست انقلاب میرے مذہب نے برپا کیا، میں نے جس خاندان میں پرورش پائی وہاں خدا کا ذکر تک بھی نہیں تھا، لیکن میں بڑی ہو کر خود اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ خدا کے بغیر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس یقین کے ساتھ سوشلزم کے اہم اصولوں کی وہ اہمیت میری نظر میں باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔''

سوشلزم یا اشتراکیت کا نظام سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت میں شروع کیا گیا، لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو اشتراکیت سرمایہ داری سے الگ نظام نہیں، بلکہ سرمایہ داری کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود دونوں اصل میں ایک ہیں۔ الحاد و مادیت کے بطن سے پیدا ہونے والی ان دونوں بہنوں کے رگ و پے میں ایک ہی خون گردش کرتا ہے۔ سوشلزم کی بنیاد ہی اس چیز پر ہے کہ خدا کا تصور ایک واہمہ ہے۔ مذہب اور دین سوشلزم کی نظر میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

سوشلزم کی خوبیاں

سوشلزم کی خوبیاں درج ذیل ہیں:

☆ اشتراکیت یا سوشلزم کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سرمایہ داری نظام کی خامیوں اور خرابیوں سے پردہ اٹھایا اور اس نظام ظلم سے جو ناسور انسانی جسم پر پیدا ہوئے، انھیں بے نقاب کیا۔

☆ سوشلزم میں وسائل دولت پر حکومت کا مکمل قبضہ ہوتا ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی

ہے کہ رعایا کے ہر فرد کے لیے روزگار مہیا کرے۔

- اشتراکی نظام میں حکومت اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے جامع منصوبہ بندی کرتی ہے جس کے لیے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے اس کام کے لیے حکومت ماہرین کے لیے تعلیم وتربیت کا اچھا انتظام کرتی ہے۔
- جو لوگ حادثہ، بیماری یا کسی اور وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں اور کام کرنے کے قابل نہیں رہتے، اشتراکی نظام میں مشترک فنڈ سے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

سوشلزم کی خامیاں

سوشلزم کی خامیاں درج ذیل ہیں:

- سوشلزم کے قاتلِ انسانیت ہونے لیے اتنا کافی ہے کہ اس نظام کو رائج کرنے لیے لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ جن میں کلیساؤں کے پادری، عدالتوں کے جج، فوجی افسران، اساتذہ وطلباء، کسان اور مزدور ہر طرح سے لوگ شامل تھے۔
- سوشلزم نے لوگوں کی زندگی بھر کی جمع پونجی اور ان کی وراثتی جائیدادوں پر مکمل قبضہ کرتے ہوئے انھیں ہر چیز سے بے دخل کر دیا۔
- اشتراکی نظام یہودی دماغوں کی اختراع ہے جن میں اخلاقیات و انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔
- سوشلزم میں احترام انسانیت کا فقدان ہے، معاشی لحاظ سے ایک انسان کو ایک حیوان سے زیادہ درجہ نہیں دیا جاتا۔
- اشتراکیت میں انسان کو شخصی آزادی اور خودداری جیسے حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے ہی گھر میں روزگار کے لیے قید ہو جاتے ہیں۔

ملحوظہ:

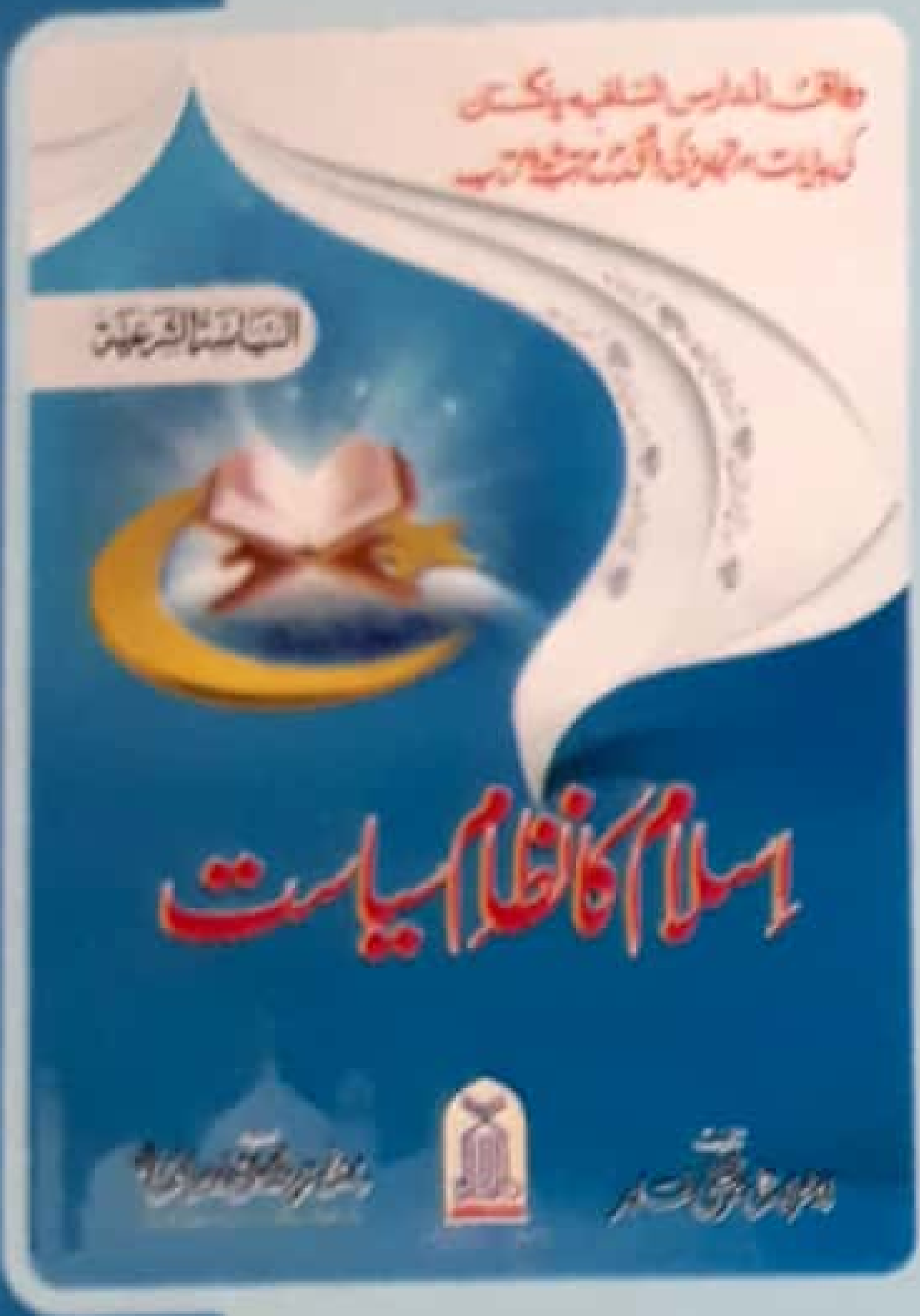
آخر الذکر چار سیاسی نظریات یعنی (مارکسزم، کمیونزم، کیپٹلزم، سوشلزم) دراصل دو

نظریات ہیں۔

① کمیونزم، سوشلزم اور مارکسزم بنیادی طور پر ایک ہی چیز ہیں۔
② کیپٹلزم، ان تینوں نظریات کے مقابل ہے۔

سوالات

1- دور حاضر کے عمرانی پس منظر پر نوٹ لکھیں۔
2- جمہوریت کی تعریف اور اقسام ذکر کریں۔
3- جمہوریت کے مفروضات اور خوبیاں وخامیاں ذکر کریں۔
4- اسلام میں جمہوریت کا کیا تصور ہے؟
5- قوم اور قومیت کی تشریح کریں۔
6- قومیت (نیشنلزم) کے عناصر ترکیبی تفصیل سے ذکر کریں۔
7- تحریک قومیت کے فوائد ونقصانات کا احاطہ کریں۔
8- امت اسلامیہ کے اوصاف بیان کریں۔
9- مارکسزم کی تعریف اور خوبیاں وخامیاں بیان کریں۔
10- کمیونزم کیا ہے؟ خوبیاں وخامیاں لکھیں۔
11- کیپٹلزم کی تعریف کرتے ہوئے اس کی خوبیاں وخامیاں بیان کریں۔
12- سوشلزم کیا ہے؟ خوبیاں وخامیاں بیان کریں۔



وفاق المدارس السلفیہ پاکستان
کی ہدایات اور تجاویز کی روشنی میں مرتب شدہ کتاب

خصوصیات

- انتہائی آسان اور عام فہم اسلوب
- وفاق کی ہدایات و تجاویز سے مکمل ہم آہنگ
- قُرآنی آیات اور احادیث سے مزین
- صحیح احایث سے استدلالات
- تمام تر نصوص کی تخریج
- سیاسی نظریات کا مکمل جائزہ
- ہر باب کے آغاز میں باب کا مکمل تعارف
- باب کے آخر میں مشقی سوالات
- جامع ترین نصاب
- الشھادۃ العالمیۃ کا امتحان دینے والے طلباء وطالبات کے لیے

مکتبہ دارُالاصلاح لاھور پاکستان

0300-4262092 Dar Ul Islah

al.islah313easyquran@gmail.com

DARULISLAH

اصلاح امت کیلئے ہر دم کوشاں